شعبہ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

# تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

۸ شعبان سنہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۳ع

عمارت دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا سید سلیمان ندوی

• • •

تحریک ندوۃ العلماء کا ایک اہم پہلو

• •

[illegible] پریس لکھنؤ

سالانہ چندہ ۵ روپے

فی پرچہ ۲۵ پیسے

TAMEER - E - HAYAT
DARULULOOM NADWATULULAMA, LUCKNOW, (INDIA)


## دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

### قصص النبیین للاطفال (۵ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا سطح لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بنگئی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۵۰/۔، حصہ دوم ۷۵/۔، حصہ سوم ۱/۷۵

### تمرین الصرف ۞ تمرین النحو

جب ہمارے مدارس میں کم عمر کے طلبہ داخل ہونے لگے ہیں، پڑھانیوالوں کو اسکا احساس ہونے لگا ہے کہ صرف و نحو کی پرانی کتابیں انکے سن و سال، ذہن و طبیعت کیساتھ مناسبت نہیں رکھتیں، دار العلوم نے اسی بات کے پیش نظر بچوں کیلئے صرف و نحو کا نیا نصاب تیار کرنیکا کام شروع کر دیا ہے اور اسکی دو کتابیں تمرین الصرف و تمرین النحو شائع ہو گئی ہیں۔ یہ نصاب دار العلوم کے فضلاء مولانا محمد مصطفےٰ ندوی، مولانا عبد الماجد ندوی، مولانا معین اللہ ندوی نے مرتب کیا ہے۔

قیمت بالترتیب [illegible]، [illegible]

### العقیدۃ السنیۃ

از مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ کتاب شاہ ولی اللہ کے رسالہ العقیدۃ الحسنۃ کی شرح ہے، اس کتاب میں نازک اور پیچیدہ مسائل اس طرح آسان اور واضح کر دیئے گئے ہیں کہ طلبا تھوڑی سی محنت سے بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں، مولانا نے اس سلسلہ میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور بعض دوسرے ائمہ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے، مدارس عربیہ کیلئے ایک بیش بہا کتاب، طلبہ اور اہل علم کیلئے بہترین تحفہ۔

قیمت [illegible]

### القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آ گئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible]، حصہ دوم [illegible]، حصہ سوم [illegible]

## مکتبہ دار العلوم کی دوسری مطبوعات

### جزیرۃ العرب

از مولانا محمد رابع ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء

یہ جغرافیہ کی کوئی خشک کتاب نہیں بلکہ اس میں سیرت، تاریخ و ادب جاہلی کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اسکی وجہ سے کسی جگہ کی جغرافیائی اہمیت کیساتھ اسکی دینی اور ادبی اہمیت بھی نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم و جدید دونوں ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، اہم مقامات کے قدیم ناموں کیساتھ جدید نام بھی بتائے گئے ہیں اور جب جگہ [illegible] نقشے بھی دیئے گئے ہیں، اسکا تذکرہ عالم عربی [illegible] کیا ہے، دار العلوم [illegible] موضوع

### تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی

چودھویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول بزرگ و عالم، اولیس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی سوانح حیات، حالات، ارشادات و ملفوظات، جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تصوف، شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں بلکہ عین شریعت کی روح ہے، وہ حضرات جو درد و محبت کے جویا اور یقین کے طالب ہیں ان کیلئے یہ کتاب بیش قیمت تحفہ ہے۔

قیمت [illegible]

### دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبد الحی رح سابق ناظم ندوۃ العلماء

یہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفرنامہ اور روزنامہ ہے جو انیسویں صدی کے اخیر میں لکھا گیا تھا اس سفرنامہ سے اندازہ ہوگا کہ گذشتہ صدی کے علماء کس ثقافت اور علم کے حامل تھے اور ان کا مطالعہ کتنا وسیع، متنوع اور پختہ تھا، آپ کو اس سفرنامہ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم، گہری تاریخی واقفیت، سلاسل تصوف اور انکی شاخوں اور قسموں پر اطلاع، متقدمین کی تصنیفات اور کتابوں سے آگاہی اور ان کے مسلک اور عہد کے نشانات جا بجا ملیں گے قیمت مجلد ۲ روپیہ


جیسی پروجیکٹ کے ابتدائی کام مکمل کر لیے [illegible]
اس کے اخراجات بھی مقررہ بجٹ سے دوگنے

Printed by S. M. HASANI [illegible]

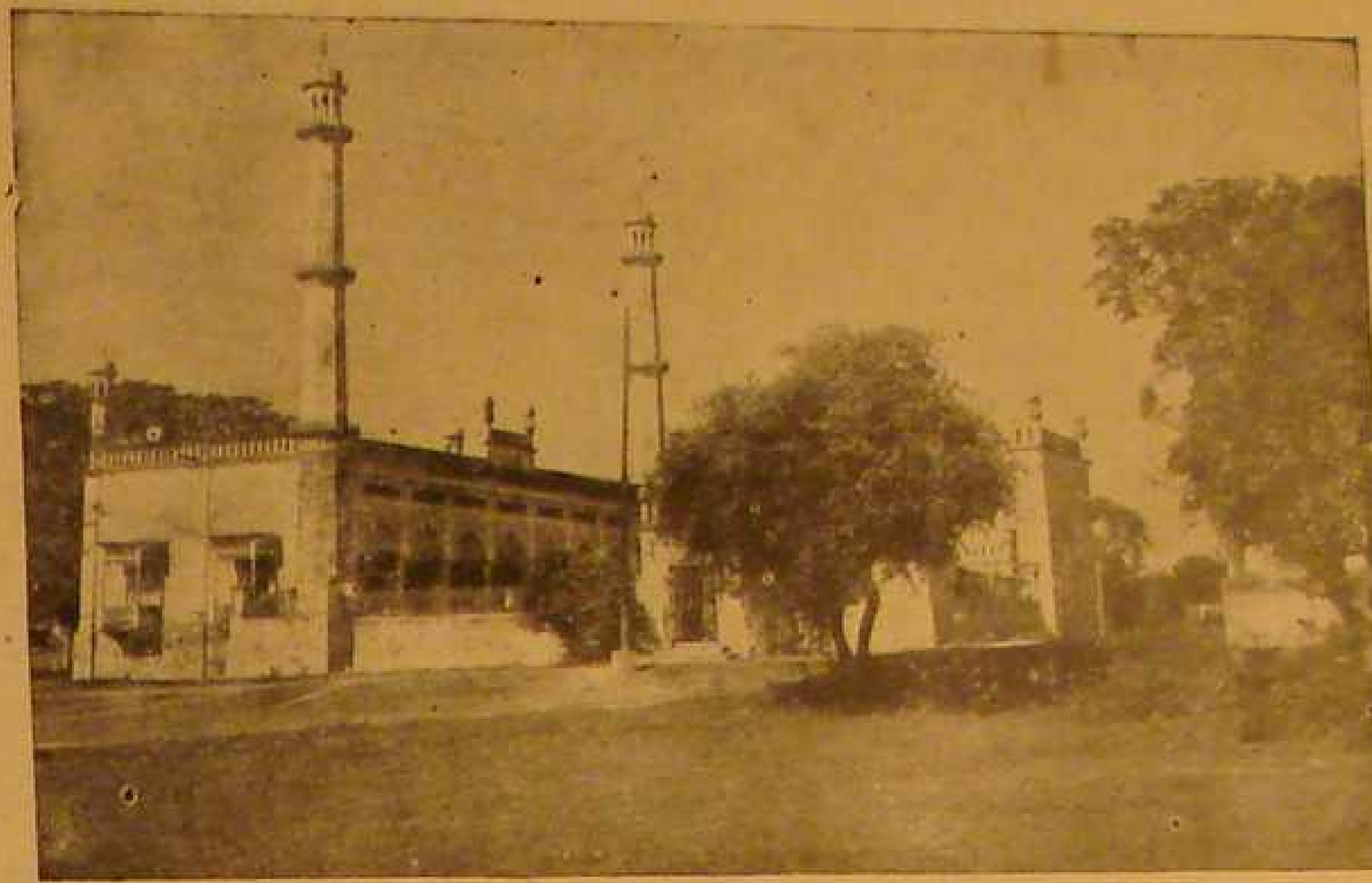

دار العلوم ندوۃ العلماء کی عالیشان خوبصورت مسجد جسکی توسیع پیش نظر ہے۔


# مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی، شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا ابو العرفان ندوی، قائمقام مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء

مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء

فی کاپی دو نے پیسے

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ

منیجر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

"تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ


## قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت لاگت سے بہت کم رکھی گئی ہے
تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں،
اس لئے
اہل استطاعت حضرات سے پُر زور گزارش ہے کہ حوصلہ مندانہ
عطیات عطا فرما کر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور ادارہ کی
اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے ______ 200 - 00

معاونین سے ______ 100 - 00 / 50 - 00

اعزازی خریداران سے ______ 25 - 00


پندرہ روزہ **تعمیر حیات** لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جلد ۱ ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۳ء - ۸ شعبان ۸۳ ۱۳ھ شمارہ ۴


## اس شمارے میں


۱۔ جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ ... ... ... محمد الحسنی

۳۔ قرآن کا پیام ... ... ... ... ... مولانا محمد اویس ندوی

۴۔ کلام خیر الانام ... ... ... ... ... مولانا محمد اسحٰق ندوی

۵۔ رفع نزاع باہمی ... ... ... ... ... مولانا محمد اویس ندوی

۶۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ ... ... ... مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

۸۔ اگر معنیٔ دل سمجھتے رہیں گے ... ... ... حمید صدیقی لکھنوی

۹۔ امام ابو حنیفہؒ ... ... ... ... حبیب الرحمٰن ندوی

۱۰۔ تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ ... ... ... محمد یونس نگرامی

۱۱۔ شعبان ... ... ... ... ... تمیز الحسن ندوی

۱۲۔ کتب خانہ کی سیر ... ... ... ... شاہ شبیر عطا ندوی

۱۳۔ زنجبار ... ... ... ... ... سید الاعظمی ندوی

۱۴۔ شیخ محمود شلتوت ... ... ... ... مولانا عبد الماجد ندوی

۱۶۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کی تعمیری ترقیاں ... ... ... مولانا محمد عبد السمیع ندوی




بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ

محمد الحسنی

انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس کو ظاہر و باطن یکساں ہو، ایک طرف اس کا سینہ ایمان و یقین سے اور اس کا دل لازوال محبت سے معمور ہو اور دوسری طرف اس کی زبان اس کے دل کی ہمنوا اور اس کا عمل ان جذبات و کیفیات کی تصدیق کر رہا ہو، اگر یہ بات کسی انسان کو حاصل ہو جائے تو اس کے ہر قول و عمل اور اس کی ہر تقریر اور تحریر میں ایک ایسی کشش اور دلآویزی پیدا ہو جائے گی جس کی تعبیر الفاظ سے نہیں کی جا سکے گی، لیکن اس کی مٹھاس ہر شخص محسوس کرے گا اور اسے ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے کسی نے اس کے دل کی بات کہہ دی ہے یا اس کی گم شدہ دولت اس کو واپس مل گئی ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اغراض کی اس دنیا میں جہاں لوگ صرف مصلحت شناسی اور لین دین کے مفہوم سے آشنا ہیں یہ صدا ضرور نامانوس ہے لیکن اب بھی اس میں دلوں کو فتح کرنے اور اقوام عالم کو مسخر کرنے کی پوری طاقت موجود ہے۔

جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ

مادیت کے کچلے ہوئے اور اغراض و خواہشات کے بوجھ میں دبے ہوئے انسانوں کے لیے اب بھی اگر کوئی چیز دلآویزی اور قیمت رکھتی ہے تو وہ یہی ایمان و یقین کی دولت اور ظاہر و باطن کی یکسانیت ہے، اگرچہ ان کے بے خدا ماحول اور مادہ پرستانہ تعلیم و تربیت نے بظاہر ان کے دل کی ساری حرارت اور گرم جوشی اور سادگی و پرکاری کھینچ لی ہے اور اس کی جگہ ایک ایسا مصنوعی اور مشینی دل لگانے کی کوشش کی ہے جو ہر قسم کے لطیف احساسات سے عاری اور درد و محبت سے خالی ہو لیکن جب بھی یہ صدا ان کے کانوں سے ٹکراتی ہے ان کا دل دھڑکتا ہوا اور نبض چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ اگر یہ صدا ذرا اور قوت کے ساتھ لگائی جائے تو شاید ان کو جھنجھوڑنے اور ہوش میں لانے کے لیے کافی ہوگی۔

یہ اخلاص و بے غرضی، خدا ترسی، حقیقی انسانیت، اور قول و عمل کی یکسانیت کی طاقت ہے جس کو آج پوری طرح نظر انداز بلکہ پامال کیا جا رہا ہے اور ہر جگہ اس کے لیے عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، دنیا میں حقیر سے حقیر چیز کے لیے کوشش کرنے والے بلکہ مر مٹنے والے اور ادنیٰ ادنیٰ خواہش پر جان دینے والے موجود ہیں۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

لیکن جس چیز کی ضرورت موجودہ دنیا کے نقشہ میں سب سے کم محسوس کی گئی اور جس کو ہر ملک میں ناقابل اعتنا سمجھا گیا وہ یہی حقیقی انسانی صفات ہیں جن پر معاشرہ کی فلاح اور آخرت میں نجات کا دار و مدار ہے اور جس کے فقدان سے ساری زندگی "ہوا و ہوس" اور "نائے و نوش" اور ساری دنیا نیلام کی منڈی بن گئی ہے اور جس پر زندگی، موت

کے ہم معنی اور موت زندگی کا آخری حل بن کر رہ گئی ہے، شاعر نے کسی خاص شخص کی نہیں ساری مادہ پرست دنیا کی ترجمانی کی ہے۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

سارا مسئلہ اتنا ہے کہ ایسی بات کہی جائے جس سے کام بھی بن جائے اور دوسرا دل کے حال اور اصل ارادہ سے واقف بھی نہ ہو، ہماری غرض پوری ہوتی ہو چاہے کسی کی جان جاتی ہو، ہمارے پاس راحت و آسائش بلکہ آرائش و زیبائش کا پورا سامان موجود ہو خواہ دوسروں کو دو وقت کا کھانا اور ضروری کپڑے بھی میسر نہ ہوں۔

یہ وہ خالص مادہ پرستانہ مزاج ہے جو مغربی اقوام کے غلبہ اور اسلامی عہد اقتدار کے زوال کے بعد ساری دنیا پر حاوی ہوگیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آب و ہوا میں بھی سرایت کر گیا ہے۔ لیکن خدا نے انسانوں کو جو عمر عطا کی ہے اور ان کی زندگی و ترقی کے لیے جو سامان مہیا فرمائے ہیں اس کی اس میں کوئی خطا نہیں، خطا ان ہی انسانوں کی ہے جنھوں نے بغاوت پر کمر باندھی ہے اور خود اپنی ناقدری اور تذلیل پر اتر آئے ہیں جنھوں نے نبوت کی روشنی اور رہنمائی سے بے نیاز اور بے پروا ہو کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا ہے یا جو ایمان اور عقیدہ رکھنے کے باوجود عملی طور پر اس سے غافل ہیں!

جو امراض کا علاج امراض سے، خواہشات کا علاج خواہشات سے کرنا چاہتے ہیں جو نفس پرستی کی بھڑکتی ہوئی آگ کو زیادہ طاقت ور نفس پرستی سے بجھانا چاہتے ہیں، جنھوں نے انسان کے لطیف احساسات اور اس کے ضمیر کو فنا کر دینے کی کوشش کی ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اس سے سارا فساد و انتشار ختم ہو جائے گا اور انسانی زندگی سکون سے ہمکنار ہو جائے گی، جنھوں نے دل کی ہر صدائے احتجاج کو بے دردی سے مسترد کر دیا ہے اور اس کی ہر جنبش کو سختی کے ساتھ کچل دیا ہے، جنھوں نے دولت اور عزت کی قربان گاہ پر انسانیت کی غم خواری، دلسوزی، حق پرستی، خدا ترسی، فرض شناسی اور ایمانداری کو بھینٹ چڑھا دیا ہو انسانوں کے اس جنگل میں جہاں سب کے سروں پر خواہشات کا بھوت سوار ہے، نبوت کی وہی روشنی راستہ دکھا سکتی ہے جس نے حق لینا نہیں حق چھوڑنا سکھایا ہے جس نے ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ کی تعلیم دی ہے، جس نے غصہ کو اتارنا نہیں بلکہ غصہ کو پی جانا مردانگی قرار دیا ہے جس نے رشتہ توڑنے والے سے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، جس نے غم کھانے اور دوسروں کا غم دور کرنے کی ترغیب دی ہے جس نے نفع میں سب سے پیچھے رہنے اور ایثار و قربانی میں سب سے آگے رہنے کی دعوت دی ہے، جس نے اہل و عیال اور قرابت داروں کو فائدہ میں ہمیشہ پیچھے رکھا ہے اور غیروں کو ہمیشہ آگے، جس نے خلوت و جلوت میں رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے میں گوشۂ تنہائی اور بزم انجمن میں ہر جگہ اور ہر موقع پر یکساں حالت اور یکساں جذبات پر قائم رہنا اور کسی ترغیب اور کسی خوف و لالچ میں بھی اسلام کے ان اصولوں سے منحرف نہ ہونا انسانیت کا اصل جوہر اور کمال قرار دیا ہے جس کی تعلیم یہ ہے کہ کم سے کم خدمت لو اور زیادہ سے زیادہ خدمت کرو، زیادہ سے زیادہ سخاوت و فیاضی سے پیش آؤ اور سوال و اشراف نفس سے دامن بچاؤ، مخلوق کو فائدہ پہونچاؤ اور اس کا اجر خالق سے طلب کرو اور خدا کی اطاعت و عبادت اور اس کے دین کی اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بناؤ لیکن مخلوق سے اس کے اجر کے طلبگار نہ ہو،

اسلام کے یہ اصول صرف کاغذی پھول یا خوش کن نظریات نہیں جس کے لیے طلاقت لسانی یا قلم کی روانی کافی ہو اس کے لیے ضبط نفس بلکہ نفس کشی کی بڑے عزم و استقامت اور بڑے صبر و تحمل کی اور سب سے بڑھکر تضرع و انابت اور دل شکستگی کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر زندگی کا کوئی قفل اور دل کی کوئی گرہ کھلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

اسکے لیے ہم میں سے ہر شخص کیلئے خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو ایک ہی اصول ہے، اور وہ یہ کہ وقتاً فوقتاً اپنی زندگی کا محاسبہ کیا جائے اور ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، جن چیزوں پر ہم صرف ایمان اور عقیدہ رکھتے ہیں یا جن اصولوں کے لیے ہم نے صرف داد و تحسین کو کافی سمجھ لیا ہے ان پر عمل کرنے کا سچا ارادہ کیا جائے اور خلوص و عزم کے ساتھ، اپنی کوتاہی اور بے بسی کے احساس کے ساتھ، خدا کی قدرت و رحمت کے یقین کے ساتھ ایک نئی زندگی کے آغاز کی کوشش کی جائے۔ یہ ایک ایسی زندگی ہوگی جس میں پتھر سے بھی سخت دلوں کو موم کرنے اور سرکش و عاصی انسانوں کو خدا کے مطیع و فرماں بردار اور انسانیت کے ہمدرد و غم خوار انسانوں میں تبدیل کرنے کی پوری صلاحیت ہوگی اس کے لیے پھر نہ کسی اشتہار کی ضرورت ہوگی نہ اعلان کی یہ زندگی خود اپنی کامیابی اور اپنی برتری کا اعلان ہوگی اور روئے زمین پر خدا کے پسندیدہ طریقۂ زندگی کا اظہار،

ضمیر انسانی مردہ نہیں ہوا ہے اس پر صرف غفلت و مادیت کے دبیز پردے پڑ گئے ہیں، ہماری سست خرامی پست ہمتی اور کوتاہ دستی کی وجہ سے یہ پردہ چاک نہیں ہو پاتا اور اس کے اندر چھپا ہوا صاف و شفاف اور پاکیزہ چہرہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں آ پاتا۔

انسانوں کی فطرت وہی ہے اور خدا کا پیغام بھی وہی، نفس پرستی، اغراض اور مادیت کی گھٹاؤں کی وجہ سے یقیناً آج ساری دنیا ایک گہرے اندھیرے میں ڈوبی معلوم ہو رہی ہے لیکن مسلمانوں کے پاس اب بھی وہ روشنی موجود ہے جو اس تاریکی کو دور کر سکتی ہے، یہ روشنی خدا کی اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی روشنی ہے جس نے تاریخ کے ہر دور ظلمت میں بھٹکے ہوئے انسانی قافلہ کے لیے روشنی کا سامان کیا ہے اور اس کے لیے ہدایت و نجات کا راستہ آسان کیا ہے۔

## شیخ الازہر کی وفات

افسوس کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی کے شیخ اور ایک ممتاز جلیل القدر عالم دین شیخ محمود شلتوت جن کے نام سے سب مسلمان واقف ہوں گے ۱۲ دسمبر ۱۹۶۳ء کو انتقال کر گئے اور پچھلے چند برسوں میں ازہر میں جو ناخوشگوار تبدیلیاں ہوئیں اور بعض افسوسناک واقعات پیش آئے اس کی ذمہ داری مسلم صحافت نے اکثر ان کے سر ڈالی اور اس رو میں ان کے بعض اچھے پہلو بھی عام لوگوں کی نگاہ سے اوجھل رہے۔ یقیناً ان کو اس سے بالکل بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اذکروا محاسن موتاکم (مرنے والوں کی اچھائیوں کا تذکرہ کرو) کی تعلیم دی گئی ہے یہ موقع مذمت کا نہیں اعتراف خدمات اور تعریف کا ہے اگر شیخ ازہر نے اس عزم و استقامت کا ثبوت نہیں دیا جس کی مثالیں ہمارے موجودہ معاشرے میں روز بروز کم ہوتی جا رہی ہیں تو اس میں دوسرے اسباب کے ساتھ ان کی بہت سی ان مجبوریوں اور دشواریوں کا دخل ہے جس کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں اکثر صحیح رائے قائم کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ انھوں نے بڑے نازک دور میں ازہر کی خدمت کی اور اتقاذ ما یمکن انقاذہ (جو کچھ بچا سکو اسی کو بچالو) پر عمل پیرا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور بلند درجات عطا فرمائے۔

## صدیق حسن نمبر

سید صدیق حسن مرحوم آئی سی ایس نے ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے اخلاقی جرأت، ایمانی صلابت اور انسانی ہمدردی کا جو عملی نمونہ پیش کیا وہ ان کی زندگی کا بہت بڑا کارنامہ اور ان مسلمانوں کے لیے جو ایسے ذمہ دارانہ عہدوں پر ہیں (بقیہ ۱۷ صفحہ پر)



# قرآن کا پیام

مولانا محمد اویس ندوی

وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ (قریش) — اور خوف سے ان کو امن دیا۔

دنیا کا موجودہ دور، تہذیب، ترقی اور تمدن کے اعتبار سے سب سے بہتر دور تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن تہذیب و تمدن کے اس نام نہاد عروج کے زمانہ میں انسانی زندگی سے امن و چین اور سلامتی جس طرح گم ہے گذشتہ تاریخ میں شاید اس کی مثال نہیں مل سکتی

افسوس کہ سائنس کے نئے نئے انکشافات، علوم و فنون کی ترقیاں، اور تہذیب و تمدن کی بلندیاں، امن عالم کے حق میں کچھ مفید ثابت نہ ہوسکیں، اور سب سے بڑے ہو کر، رہنے کی خواہش، جس کو قرآن مجید میں استکبار فی الارض، کہا گیا ہے، اس نے دنیا کے امن و سکون کو آگ کی بھٹی میں جھونک دیا ہے اور یہ معمورۂ ارض خونخوار بھیڑیوں کی شکارگاہ بنی ہوئی ہے!

ایک ملک، دوسرے ملک سے ہراساں، ایک قوم دوسری قوم سے لرزاں، ایک پارٹی دوسری پارٹی سے مشکوک، غرض کسی کو، کسی پر اعتماد نہیں ہے، باہمی تعاون مفقود ہے! اور ہر لمحہ کشمکش کے خطرہ نے زندگی کو تباہ کر رکھا ہے!

ان حالات پر جب غور کرنے کا موقع ملتا ہے تو ہم کو قرآن مجید کی وہ آیات بے اختیار یاد پڑتی ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے چین، امن اور سلامتی کو، اپنی خاص نعمتوں میں شمار کرایا ہے، اور اس سے محرومی کو، کبھی انسانوں کی بداعمالی کا نتیجہ، اور کبھی اپنی طرف سے آزمائش قرار دیا ہے!

اسلام کا ابتدائی زمانہ، اور مسلمانوں کی مکی زندگی کس درجہ غم سے بھری ہوئی تھی، کسی لمحہ سکون نصیب نہ تھا لیکن جب اس سے نجات ملی تو اللہ تعالیٰ نے احسان کے طور پر ارشاد فرمایا۔

| | |
|---|---|
| واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فآواکم وایدکم بنصرہ (انفال) | اور اس حالت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے ازمیں میں کمزور شمار کیے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو (مخالف) لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں سو ایسی حالت میں) اللہ نے تم کو (مدینہ میں) رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی مدد سے قوت دی۔ |

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کعبہ کی تعمیر کے وقت مکہ میں امن و سلامتی کی دعا مانگتے ہیں، ارشاد ہوا

| | |
|---|---|
| ربِّ اجعل ھذا البلد آمناً (البقرہ) | میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا۔ |

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں اپنے والدین اور اہل خاندان کا استقبال فرمایا، تو ان کو 'امن' کی خوش خبری دی۔

| | |
|---|---|
| ادخلوا مصر ان شاء اللہ آمنین (یوسف) | مصر میں چلئے (اور خدا کو منظور ہے تو امن اور چین سے رہیے۔ |

سبا والوں کو یمن اور شام کے سفر میں جو امن اور سکون حاصل تھا قرآن مجید اس کا ذکر فرماتا ہے۔

| | |
|---|---|
| سیروا فیھا لیالی وایاماً آمنین (سبا) | بے خوف و خطر ان میں راتوں کو اور دنوں کو چلو۔ |

غرض امن اور چین کی زندگی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی اہم نعمت ہے، آج بھی جو قومیں خصوصیت کے ساتھ اس نعمت سے محروم ہیں ان سے پوچھنا چاہیے کہ کیا ان کی عزت ان کا مال، ان کی جان، ان کی ملازمت، ان کی تجارت، غرض کوئی چیز محفوظ ہے؟ اور اگر نہیں محفوظ ہے تو اس کی وجہ سے زندگی کی یہ گھڑیاں کسی ذہنی انتشار میں گذرتی ہیں؟

مادیت کے اس دور میں بدقسمتی سے ہم ہر چیز کو مادی پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہیں، اس لیے سکون و طمانیت سے محرومی کی بھی مادی توجیہات کرتے رہتے ہیں ہو سکتا ہو کہ یہ توجیہات غلط نہ ہوں لیکن اس نعمت سے محرومی کے یہ ظاہری اور مادی اسباب ہی عالم وجود میں کیوں آئے؟ قرآن مجید اس سلسلہ میں ہم کو دو باتوں کی طرف متوجہ فرماتا ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتے ہیں اور یہ آزمائش مختلف طریقوں سے ہوتی ہے کبھی قحط آتا ہے، غلہ کی کمی ہوتی ہے، پھلوں سے محرومی ہوتی ہے کبھی خود انسان کی جان آزمائش کا ذریعہ بنتی ہے، اسی طرح کبھی کوئی قوم ایسے حالات میں گھر جاتی ہے کہ وہ قوم مجموعی اعتبار سے خوف کی زندگی بسر کرتی ہے اور اس کی آزمائش ہوتی ہے کہ ان حالات میں کون ثابت قدم رہتا ہے اور کس کے پیر پھسل جاتے ہیں۔

یارب مرا ثابت قدم از کوئے قاتل بگزراں
من سر بجیب انداختہ او تیغ عریاں در بغل

دوسری بات جس کی طرف قرآن مجید نے رہنمائی فرمائی وہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم خدا کے انعامات سے سرفراز ہوتی ہے اس کو ہر طرح کا سکھ اور چین حاصل ہوتا ہے۔ لیکن یہ قوم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کی ناقدری کرتی ہے۔ اللہ سے اپنا تعلق توڑ لیتی ہے تو یہ قوم اقتصادی بدحالی اور خوف کی زندگی کے عذاب میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔ قرآن مجید نے ایک انسانی آبادی کا واقعہ بتایا کہ جہاں کے لوگ امن اور چین کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر جب انھوں نے خدا کی ناشکری کی تو ان کا انجام کیا ہوا؟ فرمایا،

| | |
|---|---|
| وضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃ مطمئنۃ یأتیھا رزقھا رغداً من کل مکان فکفرت بأنعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون (نحل) | اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ وہ بڑے امن اور اطمینان میں رہتے تھے اور ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر طرف سے ان کے پاس آتی تھیں انھوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی، اس پر اللہ نے ان کو ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا، |

ان آیات کی روشنی میں کم از کم ہم مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ ہماری موجودہ پُر از خوف زندگی یا تو خدا کی طرف سے آزمائش ہے یا ہمارے بُرے اعمال کا نتیجہ ہے دونوں میں ہمارا فرض ہے کہ ہم حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، اور اپنے اعمال کی اصلاح کریں!

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اسکا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

## بقیہ زنجبار

جو انتہائی اخلاص، ذمہ داری اور دل سوزی کے ساتھ اس کام کو انجام دے سکیں۔

زنجبار میں مسلمانوں کا تناسب تقریباً ۹۰ فیصدی ہے، یہ تعداد شیرازی، سواحلی، عرب اور ہندوستانی مسلمانوں پر مشتمل ہے، سب سے کم ہندوستانی اور سب سے زیادہ شیرازی مسلمان پائے جاتے ہیں۔

# کلامِ خیر الانام

مولانا محمد اسحاق سندیلوی

ایمان باللہ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات عالی اور ان کے سب صفات عالیہ پر ایمان لایا جائے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص اور عیب سے پاک ہیں، اور قرآن و حدیث میں جو ان کے اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً حق تعالیٰ کا ہر چیز پر قادر ہونا یا علیم و خبیر ہونا اور عالم الغیب یا سمیع و بصیر ہونا یعنی ہر بات کو سننا اور ہر چیز کا دیکھنا یا رب العالمین یعنی ہر مخلوق کا حاجت روا ہونا یا خالق یعنی ہر شے اور ہر شخص کو عدم سے وجود میں لانے والا ہونا خواہ وہ آسمان و زمین ہوں یا انبیاء و مرسلین یا اولیاء کاملین یا ملائکہ مقربین یا اور کوئی شخص یا شے یا شہید یعنی حاضر و ناظر ہونا یا وحدہٗ لا شریک ہونا یعنی اپنی ذات اور اپنی ہر صفت میں یگانہ اور یکتا بے مثل و بے نظیر ہونا یا ان کے علاوہ جو صفات بیان فرمائے گئے ہیں وہ سب ان کے لیے یقیناً ثابت ہیں ان کے ثبوت میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی صفت احدیت کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی صفت بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے ثابت نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے خواہ وہ دوسرا کوئی نبی و رسول ہو یا ولی یا فرشتہ یا اور کوئی مخلوق، جو شخص حق تعالیٰ کی کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کے لیے (خواہ اس کی ہستی کتنی ہی بلند و برتر کیوں نہ ہو) ثابت کرے وہ شرک میں مبتلا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو سلطان الانبیاء سرورِ کونین نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ثابت کرے تو وہ بھی شرک کے گناہ میں مبتلا ہے۔

قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بعض صفتوں کا اطلاق بظاہر بعض بندوں پر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کی ایک صفت رحیم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن مجید میں رحیم فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ کی کسی صفت کو دوسرے کے لیے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی کسی صفت میں بھی کوئی دوسرا شریک نہیں ہے قرآن و حدیث میں ان الفاظ کو جو بندوں کے لیے استعمال فرمایا گیا ہے یہ محض لفظی اشتراک ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کے صفات کی حقیقت مخلوق کے صفات کی حقیقت سے بالکل جدا ہے دونوں میں ادنیٰ درجہ کی بھی مماثلت نہیں پائی جاتی ہے مثلاً حق تعالیٰ کے رحیم ہونے کے جو معنی ہیں وہ بندے کے رحیم ہونے کے نہیں ہیں۔ محض لفظ رحیم دونوں میں مشترک ہے ورنہ دونوں کی رحمت کی حقیقت بالکل الگ الگ ہے دونوں میں کوئی اشتراک نہیں ہے، بلا تشبیہ ایک مثال سے یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجائے گی۔ لفظ "بادشاہ" کو لیجیے، اس کے معنی ہر شخص کو معلوم ہے کہ ایک با اقتدار اور حاکم شخص کو کہتے ہیں، فرض کیجیے کہ کسی غریب اور معمولی آدمی کا نام بادشاہ رکھ دیا جائے، ایسی صورت میں بادشاہ کا اطلاق دونوں پر ہوگا مگر ظاہر ہے کہ یہ اشتراک محض لفظی ہوگا۔ دونوں کی حقیقتوں میں کتنا فرق ہے ایک واقعی بادشاہ ہے اور دوسرا محض لفظی بادشاہ، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس قسم کے الفاظ کا استعمال بھی جن معنی میں اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جاتا ہے ان معنی میں کسی بندے کے لیے کیا جائے تو یقیناً شرک ہے مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص اسی معنی میں رحیم و کریم ہے جس معنی میں حق تعالیٰ رحیم و کریم ہیں۔ یا بالفاظ دیگر حق تعالیٰ کی رحمت اور ان کے کرم اور فلاں بندے کی رحمت اور اس کے کرم کی حقیقت ایک ہی ہے یقیناً داخل شرک، گناہِ عظیم اور ضلال مبین ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ صفات الٰہی کو ظاہر کرنے والے الفاظ کا بندوں کے لیے استعمال محض بطور اشتراک لفظی بھی صرف ان الفاظ میں جائز ہوگا جن کا استعمال بندوں کے لیے اس اشتراک لفظی کے ساتھ قرآن و حدیث میں وارد ہوا ہے ان پر قیاس کر کے دوسرے ایسے الفاظ کا استعمال جو حق تعالیٰ کی کسی صفت کو ظاہر کرتے ہیں مگر جن کا اس طرح استعمال قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے بندوں کے لیے جائز نہ ہوگا۔ مثلاً کسی بندے کو محض بطور اشتراک لفظی رحیم و کریم کہنا تو جائز ہے مگر عالم الغیب یا قادر مطلق یا حاضر و ناظر کہنا جائز نہیں خواہ وہ بندہ کتنے ہی بلند درجہ کا کیوں نہ ہو، یعنی کسی انسان، جن، فرشتے، نبی یا ولی یہاں تک کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ان الفاظ کا استعمال جائز نہیں ہے، اگر ایسا کیا گیا تو عقیدہ فاسدہ سے خالی ہونے کی وجہ سے اعتقادی شرک تو نہ ہوگا مگر لفظی شرک ضرور ہوگا اور اسلام میں اس کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فرشتوں پر ایمان کا مطلب اس بات پر یقین کامل رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ایک نوع ایسی بھی ہے جو عقل و حواس شکل و صورت بھی رکھتے ہیں مگر نہ انسان ہیں نہ جن بلکہ ان سب سے الگ ایک دوسری ہی مخلوق ہیں جن کی حقیقت ابھی انسانی عقل کی دسترس سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے کاموں پر انھیں مامور فرمایا ہے جنھیں وہ انجام دیتے ہیں۔ یہ معصوم ہیں یعنی حق تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کی عبادت انکی فطرت میں داخل ہے۔ خطا و نافرمانی اور گناہ و معصیت صدور ان سے ناممکن و محال ہے۔ انکی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں ان میں سے بعض کے نام اور کام قرآن اور حدیث میں بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں چار زیادہ مشہور اور دوسرے فرشتوں سے افضل و برتر ہیں۔ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل، حضرت عزرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

جو شخص فرشتوں پر ایمان نہیں لاتا وہ قرآن و حدیث کی تکذیب کرتا ہے، ظاہر بات ہے کہ ایسا شخص مسلمان کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ فرشتوں پر ایمان لانا اس روحانی نظام کو تسلیم کرنا ہے جو عالم کے مادی نظام کے متوازی اللہ تعالیٰ نے قائم فرمایا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حوادث عالم کو مادی علل کے ایک سلسلہ میں مربوط فرمایا ہے اسی طرح ان مادی پردوں کے پیچھے ایک روحانی علتوں کا سلسلہ بھی قائم فرمایا ہے جو ملائکہ پر مشتمل ہے مثلاً جس طرح باران رحمت کی ابتدا عمل تبخیر سے ہوتی ہے جو حرارت آفتاب کی رہین منت ہوتی ہے۔ بخارات اٹھ کر زمہریری طبقہ میں جاتے ہیں اور وہاں کثیف اور ثقیل ہو کر نیچے اترتے ہیں جہاں دوبارہ حرارت انھیں پانی کی شکل میں تبدیل کر کے زمین کی پیاس بجھاتی ہے۔

لیکن حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس پشت روحانی اسباب کا بھی ایک سلسلہ ہے جو انھیں مادی اسباب کے متوازی قائم ہے یعنی بارش کا ایک نظام مقرر ہے جس کے چلانے پر مخصوص ملائکہ مقرر ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے اپنے مفوضہ کاموں کو انجام دیتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ کائنات کے ... یہ دونوں نظام مادی و روحانی محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتے ہیں اور مشیت الٰہی کے بغیر کسی سلسلہ کی چھوٹی سے چھوٹی کڑی بھی موجود یا معدوم نہیں ہو سکتی۔ یہی نہیں بلکہ اس کا باقی رہنا اور اس کے وجود کا استمرار بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے

(بقیہ صفحہ ۹ پر دیکھیے)

# ندوۃ العلماء کی تحریک کا ایک اہم پہلو

## رفع نزاع باہمی

مولانا محمد اویس ندوی

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ مسلمان جن کی قوت احساس ابھی مردہ نہیں ہوئی ہے وہ آشوب قلب و کرب و بے چینی کی زندگی گزار رہے ہیں، ان کی نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ سیاسی حالات نے مسلمانوں کے دلوں میں ڈر، مایوسی اور احساس کمتری پیدا کر دیا ہے، اقتصادی کمزوریوں نے اخلاقی زوال کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ غیر اسلامی تہذیب نے ان کی معاشرت پر شبخون مارا ہے، عقائد و اعمال کے رہزنوں نے جی بھر کر قزاقی کی ہے، مختصر یہ کہ

"تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

ان حالات کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ دین کی نصرت و حمایت کے لیے ہم جو کچھ بھی کر سکتے ہوں اس میں غفلت نہ کریں مدارس اسلامیہ میں درس و تدریس کے کمرے ہوں یا خانقاہوں میں ذکر و شغل کے حجرے، تصنیف و تالیف کے ادارے ہوں یا سیاسی اور اقتصادی مجلسیں، ہر موقع پر ہمارے اندر دین کی جانب سے مدافعت اور دینی زندگی پیدا کرنے کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ دور خیر القرون یا اس کے بعد کا دور نہیں ہے بلکہ فتنہ کا دور ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ آخر زمانہ میں خود پسندی پیدا ہو جائے گی، ہر شخص کو اپنی ہی رائے بھلی معلوم ہوگی یہ زمانہ اسی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مصداق معلوم ہوتا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دین کے متعلق جو کچھ ہم نے سمجھا ہے اس کے تحفظ اور توسیع و اشاعت کا جو نقشہ ہم نے مرتب کیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہر شخص وہی سمجھے اور اسی نقشہ پر کاربند ہو، یہ جذبہ جب حدود سے تجاوز کرتا ہے تو ہم دین کے دوسرے خادموں کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے طریق کار پر طعن و اعتراض کرتے ہیں اور ان کی خدمات کا انکار یا تحقیر کرتے ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ معاملہ کس قدر دردناک ہے؛ مناسب تو یہ تھا کہ دین کے سب خدمت گذار ایک دوسرے کے دست و بازو بنتے، ایک سے دوسرے کی ہمت افزائی ہوتی، اپنے اپنے طرز پر کام کرنے کے باوجود ہم آپس میں شیر و شکر ہوتے، مگر یہاں صورت حال بالکل دوسری ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعجاب کل ذی رائ برائیہ[1] کے بت نے ہمارے "طرز فکر" اور ہمارے "طریق کار" کو ہماری نگاہ میں خود مقصود اور مطلوب بنا دیا ہے، اور ہم یہ بھول گئے کہ اصل چیز تو رضائے حق ہے اور رضائے حق کے لیے وہ تمام راستے کھلے ہوئے ہیں جو خلاف شریعت نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہر مسلمان کی زندگی کا حقیقی مقصود ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے وہ تمام ذرائع حق ہیں جو شریعت کے حدود کے اندر ہوں جو شخص بھی ان راستوں سے خدا کی مرضی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، وہ انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ جس طرح ہم نے دین کی خدمت کا ایک طریقہ تجویز کیا ہے، اسی طرح ہم دوسروں کو یہ حق کیوں نہیں دیتے کہ وہ بھی اپنے مذاق اور صلاحیت کے مطابق یہ سعادت حاصل کریں؟ کیا ہمارا مرتب کردہ نقشہ کسی نص قطعی سے ثابت ہے کہ اس سے اعتراض ممکن نہیں ہے؟

تاریخ کے اوراق نے ہمارے لیے، ہمارے اسلاف کا شاندار ماضی محفوظ رکھا ہے، راہ حق کے ان مجاہدوں کے تذکرے اور سوانح حیات پڑھیے تو نمایاں طور پر یہ بات محسوس ہوگی کہ ان اللہ کے بندوں نے جس طرح دین کے تحفظ اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی تھی اسی طرح انھوں نے اس کا بھی لحاظ رکھا تھا کہ اپنی صفوں میں انتشار نہ پیدا ہونے پائے، میمنہ نے میسرہ کو اور میسرہ نے میمنہ کو کبھی الزام نہیں لگایا، مفسرین، محدثین، متکلمین، فقہاء، صوفیاء، مجاہدین فی سبیل اللہ سب اپنے اپنے طرز سے دین کی خدمت کرتے تھے اور بے شبہ ان میں مسائل و آراء کا اختلاف بھی ہوتا تھا مگر ان میں سے کسی فریق نے دوسرے کو یہ نہیں کہا کہ دین کی خدمت کے لیے جو راستہ ہم نے منتخب کیا ہے بس وہی صحیح ہے اور دوسرے راستوں کی ضرورت نہیں ہے، ان میں سے ہر سنجیدہ اور سلجھی ہوئی جماعت دوسروں کی خدمات کا اعتراف کرتی تھی بلکہ ان کے کمالات سے نفع اٹھاتی تھی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ بنیادی طور پر ان سب کا مقصود رضائے حق تھا اور رضائے حق کو یہ حضرات صرف اپنے منتخب کردہ راستوں میں منحصر نہیں جانتے تھے۔ حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے جوش اور جذبہ نے ان سب کو طرز مذاق اور طریق کار کے اختلاف کے باوجود متحد کر رکھا ہے،

این ہمہ مستی و بے ہوشی نہ حد بادہ بود
باحریفاں انچہ کرد آں نرگس مستانہ کرد

بے شبہ یہ بات تو کہی جا سکتی ہے کہ خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے بعض طریقوں کو دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں خصوصیت اور امتیاز حاصل ہے اور ہر زمانہ کی مناسبت سے دین کی خدمت کے طریقہ بدلتے رہتے ہیں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے کچھ دنوں بعد تک ہر طرف اسلام کی اشاعت اور اس راہ میں جد و جہد، صبر و برداشت اور ایثار و قربانی کا ایک خاص جوش اور ولولہ نظر آتا ہے! اس کے بعد دوسرا دور آتا ہے جس میں لوگوں پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جمع اور محفوظ کرنے کا ذوق غالب ہے، پھر کسی عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث و روایات کی تحقیق و تنقید پر خصوصی توجہ ہے اس کے بعد ایسا زمانہ آتا ہے کہ خاصان خدا، عبد و معبود کے رشتہ میں کمزوری محسوس کرتے ہیں آپ دیکھیں گے کہ اس زمانہ میں ہر جگہ اسی درد کی دوا کی تلاش، اور اسی مرض کے علاج پر گفتگو ہو رہی ہے۔

حالات کے اختلاف اور زمانہ کے تقاضوں کی وجہ سے دین کی خدمت کے لیے بدلتے ہوئے اندازوں کے باوجود ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ ان زمانوں میں دین کی خدمت کے دوسرے طریقے باقی نہیں رہ گئے تھے، یا خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع خاکم بدہن ختم ہو گئے تھے!

اسی اصول کے پیش نظر اگر اپنی ہمت، استعداد، گنجائش اور صلاحیت کے اختلاف کی بنیاد پر مختلف اشخاص یا جماعتیں دین کی خدمت کے لیے اپنے مذاق کے مطابق راستہ اختیار کرتی ہیں تو آپس میں نزاع کیوں ہو؟ ایک دوسرے کی تحقیر کا جذبہ کیوں پیدا ہو، ہم ایک دوسرے کے لیے معاون کیوں نہ بنیں؟

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری قسمت نہ تھی کہ ہم مکہ کے عہد غربت میں اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدموں سے لگے ہوتے یا بدر و حنین کے معرکوں میں اپنی جان خدا کے نام پر فدا کرتے، ہم اس کے اہل نہ تھے کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث کے جمع و تدوین کا کام ہم سے لیا جاتا، یہ ہمارا نصیب (بقیہ ص ۱۰ پر)

[1] یہ اس دور ... نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آخر زمانہ میں ہر شخص کو اپنی اپنی رائے پسند آئے گی۔

**ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!**

# مولانا سید سلیمان ندوی — نقوش و تاثرات

یہ مضمون سید صاحب کی وفات کے موقع پر لکھا گیا تھا

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجھے اپنی طالب علمی کی ابتداء سے خاندانی تعلقات اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے دیرینہ تعلق کی بنا پر سید صاحب کو بہت قریب سے اور ان کی زندگی ...... اور خصوصیات کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا، نیز طالب علم، مدرس اور رسالہ "الندوہ" کے مدیر کی حیثیت سے بھی ان کے علمی مشوروں اور فنی رہنمائیوں سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا، کچھ بیجا نہ ہوگا کہ ان کے متعلق اپنے بعض نقوش و تاثرات پیش کروں، یہاں پر صرف انھیں پہلوؤں سے ذکر کروں گا جن سے میں ذاتی طور پر متاثر ہوں۔

## جامعیت اور علمی تنوع

سید صاحب کی زندگی کا سب سے نمایاں اور ممتاز پہلو طبقۂ علماء میں ان کی جامعیت اور ان کے علوم و مضامین کا تنوع ہے، ان کی ذات اور ان کی علمی زندگی میں قدیم و جدید کی واقفیت علمی تبحر اور ادبی ذوق، نقاد و مورخ کی حقیقت پسندی اور سنجیدگی، ادباء و انشاپردازوں کی شگفتگی اور زندہ دلی علماء دین کی متانت اور اہل ادب اور اہل ذوق کی سبک روحی، عقائد کی پختگی اور صلابت اور فکر و نظر کا لوچ اور مطالعہ کی وسعت اس طرح جمع ہوگئی تھی جو شاذ و نادر جمع ہوتی ہے۔ سید صاحب جس زمانہ کے طالب علم میں اس زمانہ کے قدیم و جدید کے درمیان شدید رقابت تھی، ایک شخص بیک وقت دونوں قلمروں سے تعلق نہیں رکھ سکتا تھا قدیم و جدید کے نمائندوں کا بھی ایک جگہ مجتمع ہونا مشکل تھا (اور شاید ندوۃ العلماء کے جلسوں میں وہ پہلی مرتبہ جمع ہوئے تھے) دینی علوم اور ملک کی زبان و ادب کے درمیان بھی سرحدیں قائم ہوگئی تھیں اور ان کو پار کرنا بڑی جرأت کا کام تھا، وہ دور جس نے نذیر احمد، حالی و شبلی جیسے عالم اور صاحب طرز انشا پرداز پیدا کئے تھے، ختم ہو رہا تھا اب یک فنی علماء کا دور تھا جو ادب و شاعری کو ثقاہت کے خلاف سمجھتے تھے، ایسے بھی بہت سے لوگ تھے جو جیتی جاگتی زبان اور سلیس و شیریں اردو میں تصنیف کرنا علمیت کے خلاف سمجھتے تھے، جغرافیہ و تاریخ سے ناواقفیت علماء کا شعار سمجھا جانے لگا تھا، علوم قدیمہ میں بھی بالعموم مغایرت تھی جو فقیہ و محدث ہوتے تھے وہ ادیب نہیں ہوتے تھے، جو ادیب تھے ان کو علوم دینیہ سے سروکار نہ تھا، مدرس، تصنیف و تقریر کے لائق اور مصنف و مقرر تدریس کا اہل نہیں سمجھا جاتا تھا، ندوۃ العلماء کی بنیاد "جامعیت" کے تخیل پر تھی، زندگی پر اثر انداز ہونے اور قوم کی دینی رہنمائی کے لیے بھی ضروری تھا کہ ملک کے علمی و ادبی رجحانات سے واقفیت اور علمی زندگی میں شرکت ہو خود ندوۃ العلماء کے متقدمین میں شعرالعجم و موازنۂ انیس و دبیر کے مصنف اور اردو کے صاحب طرز انشا پرداز (مولانا شبلی) تذکرۂ گل رعنا کے مصنف (مولانا سید عبدالحی) اور غالب کی سلاست و برجستگی کی یادگار (مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی) جیسے علماء و ادباء تھے، اس درسگاہ کے سب سے نمایاں اور کامیاب طالب علم مولانا سید سلیمان ندوی تھے، جنھوں نے نصف صدی سے زیادہ علما کی اس قدیم جامعیت کو زندہ اور نمایاں رکھا اور دینی و علمی اور ادبی حلقوں میں بیک وقت نہ صرف باریاب بلکہ صدر نشین رہے ان کی زندگی اور وہ مختلف ذمہ داریاں جو انھوں نے مختلف وقتوں میں سنبھالیں ان کی جامعیت کا ثبوت ہیں، وہ ایک زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد ادب اور "الندوہ" کے نائب اڈیٹر نظر آتے ہیں پھر "الہلال" جیسے عہد آفریں صحیفہ کے شریک ادارت اور "مشہد اکبر" جیسے زندہ جاوید مقالہ کے مضمون نگار ہیں جس نے سارے ملک میں جوش و حمیت کی ایک لہر پیدا کردی تھی، اسی عرصہ میں جب مجلس خلافت مولانا محمد علی کی سرکردگی میں اپنا وفد انگلستان بھیجنا طے کرتی ہے تو اس کی رکنیت اور مسلمانان ہند کی دینی نمائندگی کے لیے اس کی نظر انتخاب اسی نوجوان عالم پر پڑتی ہے، وفتہً وہ اپنے مربی استاد (مولانا شبلی) کا معاون و رفیق نظر آتا ہے اور ان کے انتقال کے بعد مجلس دارالمصنفین کا ناظم و روح رواں ہے اور معارف جیسے بلند پایہ رسالہ کا مدیر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا معتمد تعلیم نظر آتا ہے مجلس خلافت سلطان ابن سعود کی دعوت پر موتمر اسلامی میں شرکت اور مسلمانان ہند کے خیالات کی ترجمانی کے لیے ایک وفد مرتب کرتی ہے تو اس کی قیادت کے لیے اس سے زیادہ موزوں شخص نظر نہیں آتا جو عالم اسلام کے اس نمائندہ و منتخب مجمع میں عربی میں اظہار خیال کی قدرت رکھتا ہو اور مسلمانان ہند کی دینی و علمی عظمت کا نقش قائم کرسکے، نادر خاں شاہ افغانستان اپنے ملک کی تعلیم کا ایسا خاکہ اور نظام مرتب کرنا چاہتے ہیں جو بیک وقت قومی و دینی تقاضوں کو پورا کرسکے اور دین کے اصول اور عصر حاضر کی ضروریات پر حاوی ہو اس نازک و دشوار کام کے لیے ان کی نظر ہندوستان کی تین ہی ہستیوں پر پڑتی ہے ایک ڈاکٹر سر محمد اقبال، دوسرے سر راس مسعود تیسرے مولانا سید سلیمان ندوی، پھر اس پورے عرصہ میں ہم ان کو کانگرس کے مخصوص جلسوں میں شرکت کرتے، اور خلافت و جمعیۃ العلماء کے سالانہ جلسوں کی صدارت کرتے دیکھتے ہیں، ہر جگہ ان کی رائے کا وزن، ان کی شخصیت کا وقار اور ان کی واقفیت کا اعتراف پاتے ہیں، اسی کے ساتھ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، جامعہ ملیہ، انجمن ترقی اردو اور ہندستانی اکیڈمی ان کے گرانقدر علمی خطبات و مقالات سے مالا مال ہے، پھر ان تمام مصروفیتوں اور سفروں میں ان کے علمی انہماک اور تصنیفی تسلسل میں فرق نہیں آتا اور اسی عرصہ میں ان کی وہ محققانہ کتابیں شائع ہوتی ہیں جن کو پڑھ کر بالکل اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کا مصنف ملک کی سیاسی زندگی میں شریک اور ملک کے انقلابی تقاضوں اور امنگوں کا سمجھنے والا اور ان کا ساتھ دینے والا ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے علمی و ادبی فتوحات پر قانع اور خالص تصنیفی زندگی اور علمی تحقیقات پر راضی نہیں بلکہ زبان ہوش مند، ذہن ارجمند اور فکر بلند کے ساتھ دل دردمند کی دولت سے فیض یاب ہے اور اپنے زمانہ کے ایک مسلم الثبوت شیخ (مولانا اشرف علی تھانوی) کی نسبت و صحبت سے اس شعبہ کی بھی تکمیل چاہتا ہے اور بالآخر قلیل عرصہ میں ان کے اعتماد و استناد سے مشرف ہوتا ہے۔ پھر ہم زندگی کے آخر دور میں اس ادیب و مورخ کو بھوپال کی مسند قضا پر شرعی مقدمات کا فیصلہ کرتے اور فقہی رائے دیتے پھر دنیا کے ایک بڑی اسلامی جمہوریہ کے دستور مملکت کی ترتیب میں دینی رہنمائی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، یہ گوناگوں مشاغل و خدمات سید صاحب کی ہمہ گیر طبیعت اور ان کے علم و ثقافت (کلچر) کے تنوع اور وسعت کا بہترین ثبوت ہے،

ان کی تصنیفات پر اجمالی نظر ڈالنے سے بھی یہ حقیقت کھلتی ہے کہ ان کا ذوق، مطالعہ اور ان کی علمی مناسبت کس قدر متنوع واقع ہوئی تھی، ان کی تصنیفات میں ایک طرف سیرۃ النبی کے چار ضخیم دفتر نظر آتے ہیں (جن کی مثال کسی اسلامی زبان میں نہیں ہے) اور خطبات مدارس جیسا سیرت نبوی کا عطر (جس سے بہتر طریقہ پر ابھی تک سیرت کو نہیں پیش کیا گیا) دوسری طرف عرب و ہند کے تعلقات اور عربوں کی جہازرانی پر ان کے محققانہ مقالات اور خیام پر ان کی ناقدانہ تصنیف ہے جو ایک بڑے مصنف و محقق کا پورا سرمایۂ زندگی بن سکتا ہے، قرآن مجید میں جن ممالک اور شہروں کا ذکر آیا ہے ان کے جغرافیہ اور تاریخی معلومات پر ان کی ابتدائی تصنیف ارض القرآن ابھی تک اردو میں آخری چیز اور اس موضوع پر سب سے بڑا ماخذ ہے پھر ان کی جامعیت کا یہ پہلو تقریباً ان کی ہر تصنیف میں نمایاں ہے کہ وہ علم و ادب کا رشتہ کہیں ٹوٹنے نہیں دیتے۔ کیسا خشک سے خشک مضمون اور خالص علمی موضوع ہو ان کا بہار آفریں قلم اور ان کا فطری ادبی ذوق جو مولانا شبلی سے ان کو ورثہ میں ملا تھا) اس مضمون کو تازہ اور شگفتہ بنا دے گا اور اس کا ادبی عنصر پڑھنے والے پر کتاب کو بار نہیں ہونے دے گا، سیرۃ النبی میں معجزات کی بحث پڑھیے یا ارض القرآن میں جغرافیائی و تاریخی تحقیقات ہر جگہ آپ کا ادبی حاسہ اپنی غذا پائے گا اور آپ سے پڑھنے کی سفارش کرے گا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کی تحریر میں مولانا شبلی کی برجستگی و بے ساختگی اور فارسی ترکیب کی چستی نہیں، مگر شیرینی و سلاست اور ادبی محاسن پورے پورے موجود ہیں اور ان کی علمی تصنیفات تک کے بعض ٹکڑے ادبی شہ پارے معلوم ہوتے ہیں، خطبات مدراس کے بعض پیراگراف، سیرۃ النبیؐ کے بعض صفحات اور معارف کے بہت سے شذرات وہ تحریریں ہیں جن پر ہمارے ادب عالی کو ملکیت کا دعویٰ ہے۔ نقوش سلیمانی کے بعض نقش ادبی حیثیت سے تعویذ بنا کر رکھے جانے کے قابل ہیں

واقعہ یہ ہے کہ میں نے ہندوستان و بیرون ہند کی سیاحت اور ممالک اسلامیہ سے قریبی واقفیت کے سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی جیسا جامع اوصاف، اور مولانا سید سلیمان ندوی جیسا جامع فنون اور متنوع الذوق نہیں دیکھا۔

اردو کے علاوہ عربی ادب و انشاء میں بھی ان کا ایک خاص طرز تھا جس میں کلاسیکل ادب کی پختگی و صحت اور جدید طرز کی سہولت و سلاست دونوں شامل تھیں۔ مولانا حمید الدین فراہی کی کتاب 'امعان' کا مقدمہ اور عربی رسالہ 'الضیاء' کا افتتاحی مقالہ بتلا رہے ہیں کہ اگر وہ عربی تحریر و انشاء کا مشغلہ جاری رکھتے تو اس میں بڑا امتیاز پیدا کر سکتے تھے۔

یہاں برسبیل تذکرہ اتنا اور عرض کردوں کہ عام طور پر لوگ سید صاحب کو مورخ یا ادیب کی حیثیت سے جانتے ہیں خصوصاً علماء کے قدیم حلقہ میں ان کا تعارف اسی سلسلے سے ہے لیکن مجھے سید صاحب کی علمی صحبتوں اور ذاتی استفادہ سے معلوم ہوا کہ ان کا امتیازی مضمون قرآن مجید اور علم کلام ہے میں نے معاصر علماء میں کسی شخص کا مطالعہ قرآن مجید اور علوم قرآن کا اتنا وسیع اور گہرا نہیں پایا۔ علم کلام اور عقائد پر سید صاحب کی نظر بہت عمیق و وسیع تھی اور ان کو علم کلام کو سلف کے اصول اور کتاب و سنت کی روشنی میں عصر حاضر کے ذہن اور روح کے مطابق پیش کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا اور یہ غالباً



مولانا حمید الدین فراہی کی طویل صحبت، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں کے مطالعے اور سیرۃ النبی کی تالیف کے سلسلے میں طویل غور و فکر کا نتیجہ تھا۔

یہاں پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ سید صاحب اپنے علم و تحقیق اور وسعت مطالعہ میں اپنے استاد و مربی مولانا شبلی مرحوم سے بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ نئی نئی کتابوں کی اشاعت مسلسل غور و فکر اور محنت و مطالعہ کی بنا پر اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں۔

اب میں مختصراً چند اور امتیازی خصوصیات کی طرف اشارہ کروں گا۔

## علمی ذوق اور انہماک

کسی فن میں کامل یا ناموربونا اور بات ہے اور اس کا حقیقی ذوق اور اس میں شغف اور انہماک اور بات ہے اپنی اس مختصر علمی زندگی میں اکثر یہ دیکھا کہ اکثر لوگ خاص ماحول اور خاص اوقات میں صاحب علم اور صاحب ذوق نظر آتے ہیں باقی اوقات میں ان میں کوئی علمی دلچسپی، شوق تطلع جستجو اور کتابی ذوق نظر نہیں آتا۔ درحقیقت ان میں طالب علمانہ روح نہیں ہوتی اس بارے میں میں نے دو شخصیتوں کو مستثنیٰ پایا ایک مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مولانا سید سلیمان ندوی اول الذکر کو کم دیکھا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ایک ہی دوبار ہوا مگر ان کی مجلسوں کو علمی تذکروں اور تحقیقات و افادات سے معمور پایا لیکن سید صاحب کو خوب دیکھا سفر و حضر میں رفاقت رہی اور کئی کئی دن مسلسل ساتھ رہنا ہوا ان کا علمی ذوق ہر جگہ اور تقریباً ہر وقت قائم رہتا مطالعہ غور و فکر علماء و اہل فن سے تبادلۂ خیال اور بحث و نظر کا سلسلہ جاری رہتا وہ فطرتاً طالب علم تھے اور ان کا اصلی ذوق اور افتاد طبع یہی تھا مطالعہ ان کی غذا اور ان کا لازمۂ زندگی تھا۔ بیماری میں بھی ان کا ذہن کام کرتا رہتا تھا اور نقاہت و ضعف کی حالت میں بھی ان کا مطالعہ جاری رہتا دیکھنے میں یہ معمولی بات ہے لیکن قدیم و جدید حلقوں میں اب جو علمی بے تعلقی و بے ذوقی بڑھتی جا رہی ہے اس کے پیش نظر کسی زمانے میں یہ ایک یادگار بات ہوگی۔

## قوت عمل اور نشاط کار

سید صاحب میں علمی کام کرنے کا بڑا ولولہ اور اس کی قوت (ENERGY) تھی وہ ہر تصنیف کو اس طرح مکمل کرنا چاہتے تھے اور اس طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے گویا یہ زندگی کی اصلی اور آخری تصنیف ہے وہ اس کے سلسلے میں اپنے امکان بھر کوئی کمی نہیں کرتے تھے اس کے لیے ہزاروں صفحات مطالعہ کرتے معلومات و اقتباسات جمع کرتے پھر مرتب کرتے اس سے فارغ ہو کر ہی بجائے آرام کرنے کے کوئی دوسرا سلسلہ شروع کر دیتے اور اسی انہماک و نشاط کے ساتھ اس میں مصروف ہوجاتے اس چیز نے ان کی صحت پر برا اثر ڈالا تھا، ان پر عرصہ سے سن رسیدگی اور ضعف کے آثار شروع ہوچکے تھے انھوں نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ تمھارے والد (مولانا حکیم سید عبدالحی ناظم ندوۃ العلماء) نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ؎

من بگردم شما حذر بکنید

مجھے تصنیف و مطالعے نے قبل از وقت بوڑھا اور ضعیف کردیا تم احتیاط کرنا، فرماتے تھے کہ مجھ سے تو اس وصیت پر عمل نہ ہوسکا اب یہ امانت تمھارے سپرد کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ جو علمی مزاج اور طبیعت وہ لے کر آئے تھے، اس کے بعد ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اپنا علمی انہماک کم کرسکیں۔ آج سے ۱۵-۱۲ سال پہلے وہ سخت بیمار تھے اور حالت نازک ہوگئی صحت یاب ہوئے اور پھر باوجود اطباء کی فہمائش کے اپنے علمی و تصنیفی کاموں میں لگ گئے اور اتنا بڑا تصنیفی ذخیرہ چھوڑا جو ایک پوری جماعت کو مصنف بنانے کے لیے کافی ہے یورپ و ایشیا میں کئی کئی آدمی مل کر زندگی کی تمام راحتوں اور سہولتوں کے ساتھ بعض اوقات اتنا علمی اور تصنیفی کام نہیں کرتے جو سید صاحب نے تنہا انجام دیا، تنہا سیرت النبی (جو صرف سیرت کی کتاب نہیں بلکہ اسلامی عقائد و اخلاق کا انسائیکلوپیڈیا ہے) ان کی کارکردگی کی صلاحیت اور قوت عمل کا نمونہ ہے۔ حیات شبلی دیکھنے میں ایک نامور عالم کی شخصی سوانح ہے مگر حقیقتاً مسلمانوں کی ایک صدی کی دینی، علمی، تعلیمی، تہذیبی اور فکری ارتقا کی تاریخ ہے جس کے بغیر مسلمانوں کے قومی مزاج اور موجودہ دور کو سمجھنا مشکل ہے اس میں تقریباً تمام معاصر تحریکات اور اداروں کی سرگزشت بھی آگئی ہے۔ تنہا اس کتاب میں سید صاحب نے ہزاروں صفحات کا نچوڑ اور بیسیوں کتابوں کا مواد جمع کیا ہے۔

اس موقع پر اس کا اظہار بے محل نہ ہوگا کہ سید صاحب فطرتاً مطالعہ و تصنیف اور ذہنی و تعمیری کاموں کے لیے پیدا کئے گئے تھے اور اسی قسم کا مزاج اور طبیعت لے کر آئے تھے، وہ میدانی اور ہنگامہ خیز زندگی اور سیاسی تحریکات کے لیے بالکل موزوں نہ تھے، انھوں نے اپنی ذات ادارہ اور ملت پر احسان کیا کہ اپنی اصلی طاقت اور زیادہ تر وقت تصنیفی و تعمیری کاموں میں صرف کیا جب انھوں نے حالات کے دباؤ یا طبیعت کی ہمہ گیری کی وجہ سے اس دائرے سے قدم نکالا تو ان کو یہ محسوس ہوا کہ ان کا یہ میدان نہیں، اسی طرح یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ فطرتاً عوامی مقرر اور اسٹیج کے خطیب نہیں تھے ان کا اصل جوہر غور و فکر، تلاش و تحقیق اور تصنیف و تالیف تھا اور اس میں وہ پورے طور پر کامیاب تھے،

## وسعت نظر اور اعتدال

سید صاحب نے جن اساتذہ اور علمی سرپرستوں کی رہنمائی اور جس (بقیہ ص ۱۲ پر دیکھئے)

برائے تعمیر حیات

# اگر معنیٔ دل سمجھتے رہیں گے

از شاعر حرم: حمید صدیقی لکھنوی

اگر معنیٔ دل سمجھتے رہیں گے
مدینے کو منزل سمجھتے رہیں گے

سلامت رہے ذوق و شوقِ زیارت
محبت کا حاصل سمجھتے رہیں گے

نسیمِ سحر تیرے احساں بہت ہیں
تجھے محرمِ دل سمجھتے رہیں گے

جو ہیں رازدارِ جمالِ تلاطم
وہ موجوں کو ساحل سمجھتے رہیں گے

نظر تھرتھرائے، قدم ڈگمگائیں
یہ عنوانِ منزل سمجھتے رہیں گے

یہ دیوانے تیرے خدا جانے کب تک
بگولوں کو محمل سمجھتے رہیں گے

نظر شمعِ محفل پہ جن کی نہیں ہے
وہ آدابِ محفل سمجھتے رہیں گے

نہ پہونچیں گے جبتک دیارِ نبیؐ میں
بہت دور منزل سمجھتے رہیں گے

توقع ہے ذاتِ گرامیؐ سے ہم کو
حضوری کے قابل سمجھتے رہیں گے

ہم ایسوں کو بھی تاجدارِ مدینہ
غلاموں میں شامل سمجھتے رہیں گے

## بقیہ شعبان کی پندرہویں شب

کو نماز پڑھنا اور دن کو روزہ رکھنا مسنون ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس شب مبارک میں آسمانی دنیا پر غروبِ آفتاب سے صبح صادق تک تجلی فرماتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو بخشوانا چاہتا ہو، وہ آئے میں اس کے گناہوں کو بخش دوں گا، جو شخص رزق حاصل کرنا چاہے میں اس کو روزی دوں گا، جو کسی مصیبت میں مبتلا ہو اس کو تندرست کروں گا۔

بزرگوں سے ثابت ہے کہ وہ شب برات کو نماز مغرب کے بعد سورہ یٰسین تین بار پڑھتے ہیں، اول بار درازیٔ عمر کی نیت سے۔ دوسری بار بلاؤں کے دفع کرنے کے واسطے، تیسری بار خدا کے سوا کسی اور کا محتاج نہ ہونے کے لیے اور ہر بار سورہ یٰسین کے بعد مندرجہ ذیل دعا ایک بار پڑھتے ہیں، اس دعا کی برکت سے اللہ تعالےٰ ان کی حاجت روائی فرماتا ہے اور سال بھر تک تمام مصیبتوں سے محفوظ رکھتا ہے، مجھ کو مشائخ سے یہ دعا پہنچی ہے میں تمام مسلمانوں کو جو اس کے پڑھنے کے خواہش مند ہوں اجازت دیتا ہوں۔

### دعا

اَللّٰهُمَّ یَاذَا الْمَنِّ وَلَا یُمَنُّ عَلَیْهِ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَاذَا الطَّوْلِ وَالْاِنْعَامِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ظَهْرُ اللَّاجِئِیْنَ وَجَارُ الْمُسْتَجِیْرِیْنَ وَاَمَانُ الْخَائِفِیْنَ اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنِیْ عِنْدَكَ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ شَقِیًّا اَوْ مَحْرُوْمًا اَوْ مَطْرُوْدًا اَوْ مُقَتَّرًا عَلَیَّ فِی الرِّزْقِ فَامْحُ اللّٰهُمَّ بِفَضْلِكَ شَقَاوَتِیْ وَحِرْمَانِیْ وَطَرْدِیْ وَاقْتَارَ رِزْقِیْ وَاثْبِتْنِیْ عِنْدَكَ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ سَعِیْدًا مَّرْزُوْقًا مُّوَفَّقًا لِّلْخَیْرَاتِ فَاِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ فِیْ کِتَابِكَ الْمُنَزَّلِ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّكَ الْمُرْسَلِ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتَابِ اِلٰهِیْ بِالتَّجَلِّی الْاَعْظَمِ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ الْمُکَرَّمِ الَّتِیْ یُفْرَقُ فِیْهَا کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ وَّیُبْرَمُ اَنْ تَکْشِفَ عَنَّا مِنَ الْبَلَآءِ مَا نَعْلَمُ وَمَا لَا نَعْلَمُ وَمَآ اَنْتَ بِهٖ اَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔

شب برات میں آتش بازی چھڑانا معصیت ہے، اپنے مال کو ضائع کرنا اور خدا کی ناراضی مول لینا عقلمندی کی بات نہیں، ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اس رسم کو مٹانے کی کوشش کرے اور کم از کم اپنے یہاں اس کو نہ ہونے دے یہ نہایت نادانی کی بات ہے کہ جس شب کو خیر و برکت حاصل کرنے کا ان کو موقع دیا گیا ہو اس میں اپنے مال کو اس طرح برباد کریں، کہ محرومی اور بے نصیبی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے۔

## بقیہ کلام خیر الانام

حوادث کے نظامِ مادی کے متوازی ایک روحانی نظام کا یقین عملی زندگی پر بہت ہی مفید اثر ڈالتا ہے جو شخص اس پر ایمان رکھے گا اس کا نقطۂ نظر خالص مادی نہیں رہ سکتا اس روحانی نظام پر ایمان کی مثال اس شمع کی سی ہے جو کسی دبیز پردے کے پیچھے روشن کردی جائے اور تاریکی میں کھڑے ہوئے انسان کی نظر کے لیے اس پردے کو حجاب نہ بننے دے بلکہ اپنی قدرت کی وجہ سے حجاب کو شفاف بناکر نگاہ کو اپنی فضا میں پہنچادے، دوسری حکمت یہ ہے کہ خود انسان میں جو قدرت کلیہ ہے وہ ملائکہ پر ایمان کی وجہ سے غیر شعوری طور پر ان سے اکتسابِ فیض کرکے قوت و ترقی حاصل کرتی ہے۔ منکرین اس تقویت سے محروم رہتے ہیں اور حیوانیت و بہیمیت سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔



# امام اعظم ابوحنیفہؒ کی زندگی کا ایک اہم پہلو

از: حبیب الرحمٰن ندوی

تقریباً ساڑھے بارہ سو سال سے دنیا امام ابوحنیفہؒ کے علمی و فکری رجحانات سے فیض حاصل کررہی ہے لیکن یہ بات عام طور پر لوگوں کو معلوم نہ ہوگی کہ امام ابوحنیفہؒ ایک زبردست فقیہ، جید عالم اور مجتہد ہی نہیں ایک کامیاب تاجر اور ذکی و فہیم دکاندار بھی تھے ایک طرف اگر تدوین و تدریس کی اہم ذمہ داریوں کو آپ نے پورا کیا ہے تو دوسری طرف اپنی معاشی اور دنیوی ضرورتوں کے لیے وسیع پیمانے پر تجارت بھی کی ہے۔

## تجارتی زندگی کی تفصیلات

مورخ ابوالفضل ابن کتاب میں لکھتے ہیں: "له دار کبیرة لعمل الخز وعنده صناع" امام صاحب کے پاس خز (مخصوص کپڑا) بنانے کا ایک بڑا کارخانہ تھا جس میں متعدد کاریگر بھی رہا کرتے تھے ایسی نہیں کپڑے کی ایک دکان بھی تھی جس میں بڑے پیمانے پر خرید و فروخت کا کام ہوا کرتا تھا، امام صاحب اور ان کے صاحبزادے حماد اس دکان پر بیٹھتے اور خرید و فروخت کا کام انجام دیا کرتے تھے چنانچہ ایک موقعے پر خود امام صاحب نے فرمایا ہے، "بعت احدها بعشرین دینارا: ایک تھان میں نے بیس دینار میں بیچا"

تاریخ کی ورق گردانی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے تجارت کو فروغ دینے کے لیے مختلف طریقے بھی اپنائے مثلاً

(۱) بیرونی علاقوں سے مال منگوانا؛

(۲) دیہات اور شہر کے دور دراز حصوں میں پھیری کرنے والے سوداگروں کو بھیجنا؛

(۳) قصبوں اور شہروں کے دکانداروں سے آرڈر لینا

خطیب بغدادی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں "کان ابوحنیفة خزازا ودکانه معروف فی دار عمرو بن حریث" (امام ابوحنیفہؒ خز کے تاجر تھے عمرو بن حریث کی کوٹھی میں ان کی دکان بہت مشہور و معروف تھی) ابن ہشام کی روایت ہے۔ "کان خزازا وکان فی بیعه وشرائه یستغنی ویدق النظر فیه" (امام ابوحنیفہؒ خز کے تاجر تھے مال کے خرید و فروخت اور اس کی فراہمی میں تلاش و جستجو اور وقت شناسی سے کام لیتے) یہ مشہور روایت ہے کہ ایک دفعہ مدینے سے ایک آدمی کپڑا خریدنے کے لیے کوفہ آیا مگر جب اس نے کچھ مخصوص کپڑوں کے خریدنے کی خواہش ظاہر کی تو لوگوں نے بالاتفاق اسے امام ابوحنیفہؒ کی دوکان کا پتہ بتایا اور یہ کہا کہ یہ کپڑا ان کی دوکان کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا ساتھ ہی لوگوں نے خریدار کو یہ ہدایت بھی کی "اذا اتیت حانوته واخرج الیك ما طلبت فخذ منه ما ترید وملك وزن له المقدار الذی یساوم لك به" (جب امام صاحب کی دوکان پر تم جاؤ اور مطلوبہ شے کو مانگو تو جو بھاؤ تم کو بتایا جائے اسی پر لے لو اور بلا عذر قیمت ادا کردو۔) ظاہر ہے یہ اہتمام اور یہ اصول معمولی دوکانوں کے لیے نہیں ہوتا اور نہ لوگوں میں اس کی اس قدر شہرت ہوتی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی جن کا انتقال ۲۳۰ھ میں ہوا، ان کا بیان ہے، "فیها اصحاب الخز الیوم" (امام صاحب کی دوکان میں) آج تک خز والے (کپڑا فروش) رہتے ہیں۔

## ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تجارت، سرمایہ اور شہرت سب امام صاحب کو وراثتاً ملی تھا خود ان کی ذاتی صلاحیت اور طبعی رجحان کا اس میں کوئی دخل نہیں لیکن تلاش و جستجو کے بعد سوانح نگاروں کے بیانات سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ امام صاحب کو اپنے والد کے ترکے سے زیادہ سے زیادہ دس ہزار درہم (تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ) ملا۔ ظاہر ہے یہ مختصر سی رقم تو ایک معمولی دوکان کے لیے بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ امام صاحب کے پاس تو کارخانہ بھی تھا اور دکان بھی جس میں مشہور روایتوں کے مطابق ایک ایک تھان ایک ایک ہزار درہم سے زیادہ کا تھا۔ پھر امام صاحب کی فیاضی اور دریادلی کے واقعات اگر ذہن میں ہوں تو اس قسم کے خیالات کے لیے اور بھی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ امام صاحب کو اپنے والد کے ترکے سے دس ہزار درہم سے زیادہ نہیں ملا تھا تو بھی طبعی مناسبت اور ذاتی رجحان کے بغیر امام صاحب جیسے بااصول آدمی کا تجارت کرنا اور صرف سرمایہ کے بل بوتے پر تجارت کو ترقی دینا قطعاً ناممکن ہے۔

## مقصد تجارت

ہر کیف معجم المصنفین کے بیان کے مطابق یہ بات تواتر کو پہونچی ہوئی ہے کہ امام صاحب ایک کامیاب تاجر تھے فن تجارت میں ان کو خاص مہارت حاصل تھی، خود ذکاوت کے ساتھ ساتھ سچائی خوش اسلوبی اور مردم شناسی نے امام صاحب کے کاروبار کو خوب چمکایا تھا۔ لیکن عام تاجروں کی طرح نہ تو امام صاحب کا مقصد صرف نفع کمانا تھا اور نہ ذخیرہ اندوزی کرکے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا تھا۔ ظاہر ہے دنیا کی طلب اگر پیش نظر ہوتی تو حکومت وقت کے اصرار کے باوجود آپ اس پر ٹھوکر نہ مارتے اور جب کبھی کوئی شاگرد یا غلام کسی گاہک سے کچھ زیادہ رقم لے لیتا تو اس پر خوش ہونے کے بجائے سرزنش کرتے اور گاہک کو رقم واپس کرنے کے لیے نقصان اٹھاتے اور مشقت برداشت کرتے؛

حاکموں اور گورنروں کے پاس جانے کے لیے کپڑا ضرور اچھا استعمال کرتے لیکن خوراک اور خورد و نوش کا جو حال تھا خود انھیں کی زبان سے سنیے: "انما قوتی فی الشهر درهمان فرخ السویق ومرة الخبز" (میری خوراک مہینہ میں دو درہم سے زیادہ نہیں کبھی ستو اور کبھی روٹی پر گذارہ ہوتا ہے) صاحب مناقب نقل کرتے ہیں: (کنا ندخل علی ابی حنیفة فلا نری فی بیته الا البواری (موفق) ہم امام ابوحنیفہؒ کے گھر حاضر ہوتے تو چٹائیوں کے سوا اور کچھ نہ نظر آتا۔

ظاہر ہے امام صاحب جو کچھ کماتے ہمسایوں، مہمانوں اور رفاہ عام کے دوسرے کاموں میں خرچ کرڈالتے۔ خود بیان کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| لولا انی اخاف ان احتاج الی | اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ |
| هؤلاء ما امسکت درهما | دنیا والوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا |
| واحدا | پڑیگا تو ایک درہم بھی اپنے |
| (مناقب ملا علی قاری) | پاس نہ رکھتا۔" |

مشہور روایتوں کے مطابق وفات کے بعد امام صاحب کے گھر سے لوگوں کی امانتیں تو لگ بھگ پانچ کروڑ کے نکلتی ہیں لیکن خود امام صاحب کا ذاتی سرمایہ کیا ہے صاحب مناقب کے الفاظ میں سنیں "

لم یجد وافی بیته الا مصحف القرآن

(وفات کے بعد امام صاحب کا ذاتی سرمایہ) ایک قرآن کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔"

(باقی آئندہ)

## بقیہ ایسی چنگاری بھی یارب ....

نوجوان نے سید صاحب سے بطور یادگار ایک منتخب شعر لکھنے کی فرمائش کی، سید صاحب نے خواجہ حافظ کا مشہور شعر لکھا۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

میرے خیال میں ان کا یہ انتخاب محض اتفاقی اور سرسری نہ تھا یہ ان کا اصول زندگی تھا جس پر وہ ہمیشہ کاربند رہے۔

# تھوڑی دیر اہلِ حق کے ساتھ

محمد یونس نگرامی ندوی

(۱)

حضرت منذر بن سعید اپنے دینی امور میں بہت سخت تھے، خلیفۂ وقت ناصر باللہ بھی ان کی بڑی عزت وتکریم کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود منذر بن سعید خلیفہ کو اس کی دینی کوتاہیوں پر سرزنش کرتے رہتے تھے۔ جب اس نے قصر زہرا تعمیر کیا تو حضرت منذر بن سعید کو ناصر کی یہ دنیاوی مشغولیت پسند نہ آئی، ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں جب کہ ناصر باللہ بھی موجود تھا آپ نے اپنا خطبہ قرآن مجید کی اس آیت سے شروع فرمایا،

"قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیرٌ
لمن اتقیٰ وھی دار القرار"

ترجمہ:- آپ فرما دیجئے دنیاوی فائدہ بہت تھوڑا ہے اور آخرت خیر ہی خیر ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا اور وہی ہمیشگی کی جگہ ہے

اس کے بعد منذر بن سعید نے دنیاوی لذتوں میں مصروف رہنے والوں اور آخرت سے بے خبری برتنے والوں پر ایک پُر اثر وعظ کہا دنیاوی معاملات میں زہد کی تعلیم دی اور موت جیسی حقیقت کو یاد دلایا۔ راوی کا بیان ہے کہ پورا مجمع فرطِ خوف سے زار زار رو رہا تھا اور خود ناصر باللہ بھی اشکبار تھا اور چہرہ پر ندامت کے آثار تھے۔ (معجم الادباء ج ۰ ص ۱۸۲)

(۲)

مشہور مفسر اور نحوی امام زمخشری کی ایک ٹانگ ضائع ہوگئی تھی حضرت دامغانی نے ان سے پیر کے بیکار ہو جانے کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جب میں چھوٹا تھا تو میں نے ایک چڑیا کو دھاگے سے باندھ کر اس زور سے کھینچا کہ اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ دیکھ کر میری والدہ بہت رنجیدہ ہوئیں اور فرمایا خدا تمھاری بھی ٹانگ ضائع کرے ــــ بات ہوگئی ــــ لیکن جب میں طلبِ علم کے لیے بخارا کے سفر پر روانہ ہوا تو سواری سے گر پڑا اور میری یہ ٹانگ ضائع ہوگئی۔ آج بھی میں سوچتا ہوں تو صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ حادثہ میری والدہ کے کہنے کے عین مطابق ہوا۔

(معجم الادباء ج ۰ ص ۱۴۷)

(۳)

محدث و مورخ واقدی فرماتے ہیں کہ میرے دو دوست تھے۔ ان میں سے ایک ہاشمی تھے، ایک مرتبہ میں تنگدستی وعسرت میں مبتلا ہوگیا، میری بیوی نے کہا کہ ہم لوگ تو کسی نہ کسی طرح گذر بسر کرلیں گے لیکن یہ چھوٹے چھوٹے بچے کس طرح سے گذر کر سکتے ہیں پھر عید بھی سر پر آگئی ہے پڑوسیوں کے بچے نئے نئے کپڑے پہنیں گے، خوشیاں منائیں گے۔ یہ بچے ان باتوں کو کیسے برداشت کر سکیں گے۔ یہ سب سوچ کر ہی میرا دل خون ہوا جارہا ہے بیوی کی یہ بات سن کر میں نے اپنے ہاشمی دوست کو خط لکھا، چنانچہ اس نے ایک تھیلی بھیجی جس میں ایک ہزار درہم تھے۔ ابھی مجھ کو یہ تھیلی ملی ہی تھی کہ میرے ایک دوسرے دوست کا خط اسی مضمون کا جو میں اپنے ہاشمی دوست کو لکھ چکا تھا آگیا اس لیے میں نے وہ تھیلی جوں کی توں ان کی خدمت میں بھیج دیا۔

عید کی دوگانہ ادا کرکے میں ڈرتے ڈرتے گھر گیا بیوی کو سارا ماجرا سنایا، خدا کا شکر ہے کہ وہ خفا نہیں ہوئیں بلکہ خوشی کا اظہار کیا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی میرا ہاشمی دوست آگیا اور اس کے ہاتھ میں وہی تھیلی تھی جو میں نے اس سے دیکر دوسرے دوست کو بھیج دی تھی، اس نے مجھ سے پوچھا کہ صحیح صحیح واقعہ بتاؤ کہ یہ کیا ہے۔ جب میں نے پوری صورت حال بتادی تو اس نے کہا کہ تم کو یہ تھیلی بھیجنے کے بعد میں نے دوسرے دوست کو خط لکھا تو انھوں نے جواب میں یہ تھیلی بھیجی۔ تب سارا واقعہ ہم لوگوں کی سمجھ میں آگیا۔ خیر ہم تینوں دوستوں نے اس طرح آپس میں غمخواری کی، لیکن شدہ شدہ یہ بات مامون کو بھی معلوم ہوگئی، وہ ہم لوگوں کی اس محبت وایثار سے بہت خوش ہوا۔ اور ہم تینوں دوستوں کو دو دو ہزار دینار اور ہم لوگوں کی بیویوں کو ایک ایک ہزار دینار عطا فرمائے۔

(معجم الادباء ج ۰ ص ۵۷)

(۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ملنے والوں سے پانچ باتوں کی نصیحت ضرور فرمایا کرتے تھے۔

(۱) دنیا میں اپنے گناہوں سے ڈرو (۲) خدا کے علاوہ کسی اور سے آس نہ لگاؤ (۳) اگر کوئی چیز نہ جانتے ہو تو اس کے سیکھنے میں شرم نہ کرو (۴) اگر کوئی چیز نہ جانتے ہو اور پھر تم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے تو صاف کہہ دو کہ نہیں معلوم (۵) ایمان لانے کے بعد صبر کرنا ایسے ہی ہے جیسے کہ بدن کیلئے سر کی موجودگی کیونکہ اگر سر کاٹ دیا جائے تو بدن بیکار ہو جاتا ہے (تاریخ الخلفاء السیوطی طبع جدید ص ۱۸۰)

## بقیہ ندوۃ العلماء تحریک کا ایک اہم پہلو

کہ خدا اور اس کے بندوں کے ٹوٹے ہوئے رشتہ میں ہم بیچ کی کڑی بن جاتے! کاتب تقدیر نے ہمارے لیے جو زمانہ منتخب کیا ہو اس کا سب سے بڑا حق ہمارے ذمہ یہی ہے کہ ہمارے اندر دین کے نام پر یک جہتی پیدا ہو، افتراق وانتشار کی فضا ختم ہو اور ہماری خواہشات پر اللہ کی مرضی غالب ہو۔

اس وقت دنیا کا سیاسی مطلع اس قدر ابر آلود ہے کہ ہر وقت طوفان برق وباراں کا خطرہ ہے، امن کے نام پر بدامنی اور تعمیر کے نام پر تخریب کا سامان ہو رہا ہے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں اسلام سے قبل کی زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اسلام سے پہلے ہم میں سے طاقتور کمزوروں کو کھائے جاتے تھے، اس وقت یہی صورت حال ہے۔ قوی کے برسرِ حق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ طاقت اس کے پاس ہے اور کمزور کے ناحق ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ کمزور ہے،

ہم کو غور کرنا چاہئے کہ ان حالات میں ہمارا اندرونی انتشار ہمارے لیے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوگا؟ بے شبہ غلط بات اپنوں کی ہو یا دوسروں کی، اس کو یقیناً غلط کہنا چاہئے ورنہ بڑے فساد کا دروازہ کھل جانے کا لیکن شرعی حدود کے اندر جہاں تک بھی گنجائش نکل سکے ہم کو اپنے دروازے دوسروں کے لیے بند نہ کرنا چاہئے، اور دوسروں کو برداشت کرنے کے لیے قلب میں ... پیدا کرنا چاہئے، رفع نزاع باہمی کے لیے یہی نسخۂ کیمیا ہے۔

خط وکتابت کے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دینے کجے



# سنت نبوی کی روشنی میں

محمد تسخیر الحسن صدیقی ندوی

گردش لیل ونہار نے ماہ رجب کو بھی ماضی میں تبدیل کردیا اور مسلمانوں نے اس مہینہ کی عزت واحترام میں عبادتیں بھی کیں اور جلسے بھی، تقریبات بھی منائیں اور رسومات بھی ادا کیں، اور اس کے بعد شعبان نمودار ہوا جو فضائل اور برکات میں رمضان کے مساوی تو نہیں لیکن ہے بابرکت:

لیکن بُرا ہو ان جدید رسمات کا جو اس مہینہ میں اور خاص کر اس کی ۱۴ر تاریخ کو منائی جاتی ہیں جس سے اس مہینہ کے فضائل لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور ہمارے سیدھے سادے بھائی ان کو کارِ ثواب سمجھ کر انجام دے رہے ہیں اور ان کے کرنے کو اپنی نیکیوں میں اضافہ تصور کرتے ہیں،

لیکن حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہے، یہ پورا مہینہ ثواب اور نیکیوں کے کمانے کا ہے اس میں جتنا ہی زیادہ اوامر الٰہی کی پابندی ہوگی اتنا ہی زیادہ اللہ راضی اور خوش ہوگا، لیکن اس میں عام طور سے لوگ غفلت برتتے ہیں اور گویا رجب کے بعد ایک مہینہ آرام وتفریح کے لیے رکھتے ہیں، اسی کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔

اسامہؓ بن زید فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ دیگر مہینوں کے مقابلہ میں شعبان کے مہینہ میں روزہ زیادہ رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ لوگ رجب اور رمضان کے درمیان اس سے غافل ہوجاتے ہیں حالانکہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں (رواہ النسائی)

رمضان المبارک کی طرح یہ پورا مہینہ نیکی وثواب کے حصول کا تو ہے ہی لیکن اس مہینہ میں قابل قدر وقابل التفات ۱۵ر تاریخ کی شب ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کی بخشش فرماتے ہیں سوا دو قسم کے آدمیوں کے:

حدیث میں وارد ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ۱۵ر شعبان کی شب کو سماء دنیا پر آتا ہے اور اپنے تمام بندوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے مگر کافر اور اعزاء واقارب، دوست واحباب سے قطع تعلق کرنے والے کو معاف نہیں فرماتا ہے۔

(رواہ الطبرانی وابن حبان)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل امین آئے تھے اور انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس شب میں قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بال کے برابر انسانوں کو جہنم کی آگ سے چھٹکارا دیں گے مگر اس مبارک شب میں بھی اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کافر، منافق، قطع تعلق کرنے والے متکبر، والدین کے نافرمانوں اور شرابیوں کی طرف ملتفت نہیں ہوگی۔

مذکورہ بالا احادیث میں واضح کردیا گیا ہے کہ اس شب میں مغفرت صرف خالص مسلمانوں کی ہی ہوتی ہے۔ ہر شخص کی نہیں لیکن یہ تصور کرلینا کہ صرف مسلمان ہونے سے ہی کوئی مغفرت کا حقدار ہوگا، بہت بڑی غلط فہمی ہوگی، بلکہ مغفرت اور نیکی کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اس شب میں کچھ اعمال بھی کئے جائیں، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے اور اس میں آپ نے سجدہ اس قدر لمبا کیا کہ میں یہ سمجھی کہ آپ وفات پاگئے جب میرے اندر یہ احساس پیدا ہوا تو میں کھڑی ہوئی اور میں نے آپ کا انگوٹھا ہلایا تو اس میں حرکت پیدا ہوئی جس سے میں مطمئن ہوگئی اور واپس لوٹ آئی، اسی وقت میں نے آپ کو سجدہ کی حالت میں یہ دعا پڑھتے ہوئے سنی: أعوذ بعفوك من عقابك وأعوذ برضاك من سخطك وأعوذ بك منك إليك لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك"

یعنی میں آپ کے عفو کے وسیلہ سے، آپ کے غصہ سے پناہ چاہتا ہوں، اور آپ کی رضا سے ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں اور آپ کے ذریعے سے آپ ہی سے پناہ چاہتا ہوں، میں آپ کی تعریف کرنے پر قادر نہیں ہوں، آپ تو ویسے ہی ہیں جیسی آپ نے اپنی تعریف خود کی ہے، اس کے بعد جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اے عائشہؓ کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم "تم سے ناراض ہوگئے ہیں" میں نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ میں تو یہ سمجھی تھی کہ آپ کی وفات ہوگئی کیونکہ آپ کا سجدہ ہی اتنا لمبا تھا، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتی ہو یہ کون سی رات ہے: میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو اس کا زیادہ علم ہے، فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ استغفار کرنے والوں کے گناہوں کو معاف کردیتا ہے رحم طلب کرنے والوں پر رحم کرتا ہے اور جن کے دلوں میں بغض وعداوت ہوتی ہے ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔

جب وہ ہستی جس کے تمام پچھلے اور اگلے گناہ معاف کئے گئے ہوں اس شب کا اس قدر اہتمام کرتی ہو اور اس شب میں نوافل کی اس قدر کثرت کرتی ہو تو پھر ہم جیسوں کی غفلت کیا معنی رکھتی ہے، ہم اس شب میں کتنی کثرت سے معاصی وگناہ میں مبتلا ہوتے ہیں، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شب کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ:۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصف شعبان کی شب آجائے تو اس میں خوب عبادت کرو اور دن میں روزہ رکھو، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ غروب شمس کے بعد ہی سماء دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کردوں، کون رزق طلب کرتا ہے کہ میں اس کو رزق دوں، کون ہے جو صحت یابی چاہتا ہے کہ میں اس کو صحت بخشوں، اسی طرح کے مختلف اعلانات ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہوجاتی ہے: (رواہ ابن ماجہ)

اسی طرح کی بہت سی احادیث ہیں جن میں اس شب کی فضیلت وارد ہوئی مثلاً بعض احادیث میں وارد ہے کہ اسی شب میں انسانوں کی عمروں میں رزق وغیرہ میں کشادگی کی جاتی ہے، زندگی اور موت کے اوقات متعین کئے جاتے ہیں، اسی طرح کے اور بھی بہت سے احکام اس شب کو صادر ہوتے ہیں۔

ہمارے لیے یہ بات کتنی ہی اچھی ہوتی کہ جب یہ احکام صادر ہو رہے ہوں تو ہم اپنی اپنی جبین نیاز خدا کے دربار میں جھکائے ہوں الحاح وتضرع کے ساتھ خالق حقیقی سے اپنی مغفرت، رزق میں کشادگی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں مانگ رہے ہوں اور اس معبود کو ہم پر رحم آجائے اور وہ اپنا کرم فرماکر ہم کو معاف کردے اور ہمارے گناہ دھل جائیں۔

لیکن افسوس صد افسوس ایسا نہیں ہوتا بلکہ ہم اس بابرکت شب کو مختلف قسم کے خرافات ورسومات میں گزار دیتے ہیں جس میں فضول خرچی، حق تلفی، آتشزنی اور اس قسم کے دیگر نقصانات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم کو اپنے ان خرافات اور رسومات پر نہ صرف اصرار ہی ہے بلکہ فخر بھی ہے۔

شارع ے اس سلسلہ میں ایک دعا بھی منقول ہے جو پندرہویں شب کو کی جاتی ہے مولانا سید عبدالحیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) نے اس پر کچھ روشنی ڈالی ہے، نامناسب نہ ہوگا اگر اسکو ان ہی کے الفاظ میں نقل کردیا جائے وہ لکھتے ہیں:۔

## شب برات اور اس کی دعا

شعبان کی پندرہویں شب بقیہ ص ... پر دیکھئے

## کتب خانے کی سیر

# بانکی پور کا کتب خانہ ـــــ خدابخش لائبریری پٹنہ

تحریر: شاہ محمد منیر عطا ندوی

یہ کتب خانہ بھی کچھ کم امتیاز کا حامل نہیں، اس کے اندر گزرے ہوئے عالموں اور گزرے ہوئے بادشاہوں کی یاد محفوظ ہے، ایک ایسی ثقافت کی یاد محفوظ ہے جس نے دنیا پر گہرا اثر ڈالا تھا، اسی ثقافت نے قرطبہ سے لیکر دلی تک اس کے بہت بڑے شاہکاروں کو جنم دینے میں تخیل کا ہاتھ بٹایا تھا۔ جو لوگ قدیم اسلامی دنیا کے تصورات سے آشنا ہونا چاہتے ہیں ان کی آرزو سے کچھ زیادہ ہی یہ کتب خانہ ان کو نہال کردینے کے لیے کافی ہے۔

اس کتب خانہ کا تعارف وی، سی اسکاٹ او کونز ان الفاظ میں کراتا ہے۔

"یہاں اصلاً مبالغہ سے کام لینا مقصود نہیں، پر مشرق کے ایک ایسے تابناک کارنامے کے ذکر میں تخیل کی تھوڑی سی گرمی معاف رکھی جائے گی کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں پرکار خطاطی سونے کی میناکاری، لاقیمت کتابی نقاشی اور لاجوردی، شنگرفی، گلابی، زعفرانی، نیلے، سرخ اور سبز رنگوں سے بعض صفحوں پر تصویر کاری سے بڑھ کر اور چیز ہو نہیں سکتی، ان کی سادگی اور پرکاری سے بڑھ کر دل پر اثر کرنے والی کوئی چیز دیکھی گئی اور نہ سنی گئی، جن انقلابوں میں ان چیزوں نے اپنا حصہ ادا کیا ہے ان سے کہیں زیادہ یہ خود اصلی معلوم ہوتی ہیں، یہ دیکھیے یہ ازہر یا دمشق کے کسی غریب عالم کی لکھی ہوئی کتاب کا دنیا میں ایک ہی نسخہ ہے۔ یہ دیکھیے یہ کتاب کسی شہنشاہ یا کسی بادشاہ کو تحفہ میں پیش کی گئی ہے، یہ دیکھیے یہ کتاب کسی خانخاناں یا شاہان مغلیہ کے کسی امیر کی خدمت میں بطور نذر پیش کی گئی ہے، یہ دیکھیے اس کتاب نے کسی بادشاہ کو عین مایوسی اور بے بسی کے عالم میں اس کی قسمت کا حال بتایا ہے۔ یہ دیکھیے یہ کتاب ہیروں سے آراستہ پیراستہ کسی شہزادی کا دل پسند کھلونا رہی ہے یہ شہزادی اپنی نسل کے اور لوگوں کی طرح شاعرہ تھی اور سچ مچ اونچے درجے کی شاعرہ تھی۔ یہ دیکھیے یہ کتاب مال غنیمت کا ایک حصہ ہے جو کسی فاتح کے ہاتھ لگا ہے، جو ہیروں، کپڑوں اور سونے چاندی کی چیزوں کے ساتھ اس کے قبضہ میں آیا ہے اور اس کے پچھلے مالک نے ابھی ابھی قبر کا کونا آباد کیا ہے، یہ دیکھیے یہ ایک اجڑے دربار کا آخری خزانہ ...... چرایا گیا ...... چھپا کر رکھا گیا، ہاتھوں ہاتھ ایک سے دوسرے تک پہونچایا گیا، پانی میں بھیگا، دیمک نے چاٹا اور کیڑوں نے اس سے اپنا پیٹ بھرا، پھر کسی بھوکے خاندان کا پیٹ پالنے کے لیے بیچا گیا اور اب آخرکار... آرام کے دن پورے ہونے اور پھر ایک نئی گردش شروع ہونے کی درمیانی مدت کے لیے ہی سہی...... یہ راحت اور آرام کے ایک مامن میں محفوظ ہوگیا[1]۔"

اس کتب خانے میں قرآن شریف کے بعض نسخے انتہائی نایاب ہیں، میں خاص طور پر مشہور خطاط یاقوت مستعصمی کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کا ذکر کروں گا، اس کے آخر میں اس کے دستخط اور ۶۶۸ھ کی تاریخ درج ہے، اس جلد کے ہر صفحہ پر متن کی عبارت خطاطی کے تین طرزوں میں لکھی گئی ہے، یہ خط نسخ، ریحان اور ثلث میں پہلا طرز خط یعنی نسخ خود یاقوت کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ میرے لیے تو خط کے حسن کے اظہار کا اس سے بہتر اور اس سے حسین تر نمونے کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ قرآن مجید کا ایک اور نسخہ اپنی ماہرانہ خطاطی کے لحاظ سے تو نہیں البتہ اپنی غیر معمولی تزئین کے لحاظ سے اس نسخہ سے بھی ممتاز ہے، قرآن شریف کا یہ نسخہ جو حد درجہ سجا سجایا ہے اور بہت بڑی تقطیع پر لکھا گیا ہے، اس کے چوڑے حاشیہ پر ایک فارسی تفسیر نیلے حرفوں میں لکھی گئی ہے، کتابوں کی حد تک اس سے زیادہ مرصع اور آراستہ پیراستہ کتاب کا تصور بھی مشکل ہے، ہر سورہ دہرے سے شروع ہوتی ہے اس پر نیلا اور طلائی کام ہے، لاجورد، فیروزی اور معدنی لاجورد سے نازک گل بوٹے بنائے گئے ہیں اور سرخ اور شنگرفی رنگوں کے ملاپ سے ایک نئے رنگ میں گلکاریاں کی گئیں ہیں، ہر سورہ کا عنوان سفید حرفوں میں لکھا گیا ہے۔ ہر سورہ کی ابتدا سفید حرفوں سے ہوتی ہے جو گہری نیلی زمین پر لکھے گئے ہیں، حاشیوں کے کئی سلسلے ہیں اور ان کے اندر یہ مقدس الفاظ لکھے گئے ہیں۔ جیسے انھیں عام دنیا سے الگ کرکے ایک احاطے میں رکھا گیا ہے، اسی طرح قرآن شریف کی تفسیر ہے اس کے گوشوں پر گل کاری کی پٹیاں ہیں جو طلاء سے بنائی گئی ہیں، ان کے سوا چھوٹے چھوٹے طغرے ہیں نیلے سرخ اور سنہرے اس کے بعد مقدس متن ہے بڑے بڑے واضح حروف سیاہی سے لکھے ہوئے اور ایک انچ چوڑے۔ اس قرآن شریف کا کاغذ جلادار ہے اور ریشم کی طرح ہلکا اس کے باوجود اس شاہانہ جلد کا وزن جس پر خالص سونا مڑھا گیا ہے، دس سیر سے کم نہ ہوگا، یہ پتہ نہیں یہ نسخہ کہاں سے اور کیسے یہاں آیا، پر اتنا یقین ہے کہ یہ نسخہ کسی مرفہ الحال اور پرشکوہ عہد میں عالم وجود میں آیا ہوگا۔ (باقی آئندہ)

[1] ایک مشرقی کتب خانہ

## ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی

بقیہ ص ۷

ماحول میں ذہنی وعلمی تربیت حاصل کی تھی اسکا ایک نتیجہ یہ تھا کہ انکی نظر میں وسعت اور انکی طبیعت میں اعتدال تھا، نہ ان میں بہت سے قدیم علماء کا سا جمود اور گروہی عصبیت تھی نہ جدید طبقہ کی عجلت وسطحیت اور یورپ کی مرعوبیت تھی وہ اپنے تعلیمی خیالات سے لیکر فقہی مسلک تک وسیع النظر وسیع القلب اور معتدل تھے، اگر یہ صفت ان میں نہ ہوتی تو انکو مولانا محمد علی کی رفاقت، موتمر اسلامی کی شرکت سفر افغانستان، علی گڑھ اور جامعہ ملیہ کے تعلقات، ہر جگہ دشواری محسوس ہوتی، یہی نظر کی وسعت اور قلب کی فراخی تھی کہ انھوں نے ہندوستان کے ایک نامور علمی جماعت اور مشہور ادارہ کے سب سے بڑے آدمی ہونے اور اپنے مخصوص تعلیمی واصلاحی خیالات رکھنے کے باوجود مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے رجوع واستفادہ کیا اور اس میں انکو کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوئی، وسعت نظر کی ایسی مثالیں طبقہ علماء میں کم ملیں گی۔

آخری چیز جو ان کی پوری زندگی میں نمایاں رہی وہ انکی طبیعت کی شرافت ومروت تھی وہ بالکل بے آزار اور غیر منتقمانہ طبیعت کے آدمی تھے ان کے لیے ظالم کے بجائے مظلوم بننا بہت آسان تھا ان کی صفت اس درجہ تک پہونچی ہوئی تھی جو کمزوری سے تعبیر کی جاتی تھی، ایک ایسی سوسائٹی، جو اس طرح کی صفات کی قدر کرنے کی عادی نہیں ان کو اپنی اس افتاد طبع کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی، اپنی رضامندی کے خلاف بہت سے فیصلے کرنے پڑے اس طویل زندگی اور وسیع تعلقات میں شاید ہی کوئی ایسا شخص مل سکے جو بیان کرے کہ سید صاحب نے اسکو کبھی نقصان پہنچایا یا اپنی ذات کا انتقام لیا میرے سامنے ایک مرتبہ امین آباد میں ایک

(بقیہ ص [illegible] پر)



## عالم اسلام

# زنجبار ـــــ ایک نیا آزاد ملک !

از: سعید الرحمن الاعظمی

### آزادی کا اعلان

۲۰ ستمبر ۱۹۶۳ء کو لندن میں استقلال زنجبار کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے برطانوی وزیر نوآبادیات مسٹر سانڈز نے اس بات کی امید ظاہر کی تھی کہ زنجبار آئندہ دسمبر میں مکمل طور پر آزاد ہوجائے گا، چنانچہ ۱۰ دسمبر ۱۹۶۳ء کو زنجبار کی مکمل آزادی کا اعلان ساری دنیا نے سن لیا اور افریقہ کے نو آزاد ملکوں میں ایک آزاد ملک کے اضافہ پر ہر طرف مسرت کا اظہار کیا گیا۔

### انتخابات

جولائی ۱۹۶۳ء کے شروع میں زنجبار میں عام انتخابات ہوئے تھے جس میں ملک کے ۹۹ فیصدی افراد نے حصہ لیا تھا اور ۱۷ جولائی ۶۳ء کو سب سے پہلے وطنی حکومت کی تشکیل عمل میں آئی جس کے صدر شیخ محمد شمتی قرار پائے۔

### سیاسی پارٹیاں

زنجبار میں تین بڑی سیاسی پارٹیاں ہیں جن میں سب سے نمایاں وطن پارٹی ہے اس کے بعد بُبا پارٹی ہے اور یہی دونوں پارٹیاں اس وقت برسراقتدار ہیں تیسری شیرازی پارٹی ہے جو حزب مخالف شمار کی جاتی ہے

### قومی جھنڈا

زنجبار کا قومی جھنڈا سرخ ہے جو ہر طرح کی علامت اور رمز سے خالی ہے، زنجبار میں ریڈیو اسٹیشن بھی قائم ہے جو اگرچہ ابھی زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے لیکن آزادی کے موقع پر تمام سرکاری تقریبات کی نشر واشاعت کا کام اس سے لیا گیا۔

### محل وقوع

زنجبار ایک جزیرہ ہے جو ٹنگانیکا کے شرقی سمت میں واقع ہے، ان دونوں جزیروں کے درمیان ایک نہر ہے جس کی چوڑائی ۲۲ میل کے قریب ہے اور یہی ان دونوں جزیروں کیلئے حد فاصل ہے۔ زنجبار کے شمال مشرق میں تقریباً ۲۵ میل کی مسافت پر جزیرہ پمبا واقع ہے۔

### زنجبار کا رقبہ

زنجبار کا رقبہ ۶۴۰ چھ سو چالیس میل اور جزیرہ پمبا کا رقبہ (۳۸۰) تین سو اسی میل ہے۔

### پیداوار

زنجبار کی سب سے بڑی پیداوار لونگ ہے اس کے بعد اخروٹ اور چاول کی پیداوار ہے، کھیتوں اور باغات کی سینچائی اور آب پاشی کا کام اس نہر سے لیا جاتا ہے جو جزیرہ کے وسط سے گذرتی ہے، اس طرح بارش کا پانی بھی اس کام کے لیے کافی معاون ثابت ہوتا ہے چونکہ یہ جزیرہ خط استوا سے بالکل قریب واقع ہے اس لیے بارش بھی یہاں خوب ہوتی ہے

### اجتماعی حالت

زنجبار میں اس وقت تین بڑے اور بنیادی قبیلے ہیں۔

۱۔ وابادیو ۲۔ واتمباتو ۳۔ واپمبا،

اور یہ تینوں قبائل، قبیلہ، بانتو کی شاخ ہیں جو مشرقی افریقہ کے سواحلی علاقوں میں ہزاروں سال سے موجود ہیں، البتہ شیرازی قبیلہ ایران کے مشہور شہر شیراز کی طرف منسوب ہے، اسی طرح سواحلی علاقوں میں بسنے والے دراصل جزیرۂ عرب کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہاں سے ہجرت کرکے افریقہ کا رخ کیا تھا، ان کی عربی زبان میں چالیس فیصدی سواحلی زبان کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

زنجبار کی وہ آبادی جن کو حق رائے دہی حاصل ہے، سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ۱۶۵۰۴۴ ہے جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ یہاں کی عام زبانوں میں سواحلی زبان عربی زبان اور گجراتی زبان اور انگریزی زبان ہے، یہی زبانیں عام طور سے وہاں بولی جاتی ہیں، اگرچہ غلامی کے دور میں سرکاری زبان انگریزی تھی،

### سیاسی حالت

سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں پرتگالیوں نے افریقہ کے مشرقی ساحل پر حملہ کیا اور ایرانی شہنشاہیت پر پوری طرح قابض ہوگئے، اسی وقت سے زنجبار اور جزیرہ پمبا دونوں پرتگالیوں کے زیر اثر آگئے۔

۱۷۴۴ء میں احمد بن سعید بوسعیدی نے مملکت بوسعیدیہ کی تاسیس کی جس کے سلاطین اس وقت سے لیکر آج تک برابر تخت حکومت پر آتے رہے، چنانچہ موجودہ سلطان کا نام جمشید ہے جن کے سامنے آزاد حکومت نے رسم حلف برداری ادا کی۔

۱۸۹۰ء میں زنجبار مملکت بوسعیدیہ سے نکل کر برطانیہ کے تصرف میں آگیا اور آزادی سے قبل تک اسی کے تصرف میں رہا۔ ۱۹۵۰ء میں مجلس قانون ساز کے ممبران کا انتخاب کرانے کے لیے (جو ۱۹۵۶ء کی دستور کی رو سے ملک کا حق تھا) انتخابات ہوئے اور مجلس قانون ساز کی تشکیل عمل میں آئی اور بالآخر جولائی ۱۹۶۳ء کے عام انتخابات نے سامراج کو ملک سے نکل جانے پر مجبور کیا اور زنجبار نے ایک طویل غلامی کے بعد آزادی کا جشن منایا اور آزاد وطنی حکومت قائم ہوئی جو نہ صرف افریقہ کے ہر شہری بلکہ ہر ملک کے افراد کی ایک آرزو تھی

### دینی حالت

مشرقی افریقہ کی دوسری ریاستوں کے مقابلہ میں زنجبار دو حیثیتوں سے بہت زیادہ ممتاز ہے اول یہ کہ زنجبار میں اسلامی مظاہر ورسوم ہر طرف نمایاں نظر آتے ہیں۔ دوم یہ کہ اس جزیرہ کے خارجی مظاہر مثلاً فن معماری، آثار قدیمہ وغیرہ پر عرب تمدن کے گہرے نقوش دکھائی پڑتے ہیں اس کی دو وجہیں ہیں اولاً اس جزیرہ میں اسلام اس طرح پھیلا کہ تقریباً پوری آبادی مسلمان تھی، دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی حکومت قدیم عہد سے ابتک برابر یہاں قائم رہی، چنانچہ آپ کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ زنجبار میں جو جزیرہ کا دار السلطنت بھی ہے سو سے زیادہ مسجدیں موجود ہیں اور گزرنے والے کو ہر سڑک اور ہر موڑ پر کئی مسجدیں ملتی ہیں۔

زنجبار میں اسلام کی ابتداء آج سے تقریباً بارہ سو سال پیشتر ہوئی بعض مورخین کا خیال ہے کہ عبدالملک بن مروان اموی کے عہد میں جب عمان کے عرب عبدالملک کے لشکر کا مقابلہ نہ کرسکے تو وہ مشرقی افریقہ کے ساحلی علاقوں کی طرف ہجرت کرکے چلے گئے اور انھیں کے واسطے یہاں اسلام پھیلا

زنجبار کی اکثر مسلمان آبادی شافعی مسلک کی پیرو ہے کہا جاتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی [illegible] کچھ شافعی المسلک عرب یہاں پہونچے تھے اور انھیں کے ذریعے یہ مسلک یہاں رواج پذیر ہوا۔

زنجبار میں اس وقت سنی اور شیعہ دونوں جماعتیں موجود ہیں اور اکثر آبادی سنی شافعی المسلک ہے، لیکن یہاں دینی دعوت کے لیے کوئی منظم جماعت یا تحریک نہیں ہے۔ بعض علماء اپنے طور پر مدرسوں اور مساجد میں دین کی تعلیم اور دعوت کا کام انجام دیتے ہیں، لیکن صرف اتنا کافی نہیں ہے بلکہ یہاں دعوتی کام کو منظم طور پر چلانے اور اس کو پھیلانے کے لیے ایسے داعیوں اور مبلغین کی ضرورت ہے (بقیہ ص ۳ پر دیکھیے)

# شیخ الازہر شیخ محمود شلتوت

مولانا عبد الماجد سندھی

شیخ الازہر شیخ محمود شلتوت کی وفات پورے عالم اسلام کے لیے عموماً اور عرب دنیائے اسلام کے لیے خصوصاً ایک عظیم سانحہ ہے۔ ادھر پچھلے دس پندرہ سال کے عرصہ میں اکابر علماء ایک ایک کرکے اٹھتے چلے گئے، ان میں سے جس کی جگہ بھی خالی ہوئی وہ ابھی پُر نہ ہو پائی تھی کہ دوسرے کا وقت آگیا۔ پورے عالم اسلام میں قحط الرجال کا شدت کے ساتھ احساس کیا جارہا ہے۔ ایسے وقت میں شیخ محمود شلتوت کا سانحہ وفات یقیناً بڑے غم و اندوہ کا باعث ہے۔

شیخ محمود شلتوت اپنے اس دور کے ایک بڑے جید عالم تھے۔ قرآن و حدیث اور فقہ کے ساتھ دیگر تمام دینی علوم میں گہری بصیرت رکھتے تھے، ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا، وہ دور جدید کے افکار و نظریات سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور اس کے فتنوں سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ چار سال پیشتر اپنے قاہرہ کے زمانۂ قیام میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا، عمر کوئی ستر اسی کے مابین ہوگی، چلتے دُبلے اکہرے بدن کا انسان، پیرانہ سالی کے ساتھ ساتھ متعدد امراض کا شکار، بس ہڈیوں کا وہ ایک ڈھانچہ معلوم ہوتے تھے۔ مگر بات چیت اور انداز گفتگو میں بلا کی چستی ظاہر ہوتی تھی، ان کا دایاں ہاتھ بالکل شل تھا۔ دستخط کرنے سے بھی معذور تھے، ان کے دستخط کی ایک مہر بنی ہوئی تھی، وہی دستخط کی جگہ استعمال ہوتی تھی۔

شیخ محمود شلتوت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ ایک سوچنے سمجھنے والا دماغ رکھتے تھے اور بڑی اچھی ذہانت اور سمجھ بوجھ کے مالک تھے اکثر لوگ ان کے بارے میں اچھی رائیں نہیں رکھتے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ جمال عبدالناصر کے مکمل ہمنوا تھے، مگر میرے ناقص خیال میں یہ رائے صحیح نہیں ہے اس بارے میں لوگوں کے اندر خاصی غلط فہمیاں ہیں جن کے متعدد اسباب ہیں، میری ناقص رائے میں شیخ محمود شلتوت ان علماء میں تھے جن کی فطرت سلیم ہے اور جو اسلام سے سچی محبت رکھتے ہیں، جو دین اسلام کی مظلومیت و مقہوریت پر اندر ہی اندر کڑھتے اور گھٹتے رہتے ہیں، جن کے دلوں میں اس کی ٹیس ہے، جو مسلمانوں کی ذلت و نکبت پر دلفگار ہیں اور جن کے نزدیک ان سب کا علاوہ کتاب و سنت کی طرف لوٹنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

شیخ محمود شلتوت کے حصہ میں ازہر کی مشیخت اس وقت آئی جب ان کے سارے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے اور زندگی کی ساری توانائیاں کھوکر وہ شیخ فانی کے حکم میں داخل ہو چکے تھے۔ مگر وہ اپنی اس پیرانہ سالی اور ضعیفی کے باوجود جبکہ دوسری طرف حالات بھی نازک سے نازک ترین صورت اختیار کرچکے تھے اس حد تک کہ ازہر کو اپنی ہزار سالہ تاریخ میں کبھی ایسے نازک دور کا سامنا کرنا نہ پڑا ہو، انھوں نے ازہر کی قیادت اور اس کی حفاظت کا کام جس طرح اور جیسا کچھ بھی کیا اس کا اعتراف نہ کرنا بڑی ناانصافی کی بات ہوگی، انھیں ازہر کی خدمت کے لیے زیادہ سے زیادہ چار پانچ سال کا عرصہ ملا۔ اس مدت میں انھوں نے بہت سارے اصلاحی کام بھی کیے اور اس کی روایات کی حفاظت کا سامان بھی کیا، ان کی مثال اس پرانے تجربہ کار ماہر ملاح کی تھی جو طوفان میں اپنی گھری ہوئی کشتی کو محض اس امید میں کھیتے چلا جاتا ہے اور کسی طرح ہمت نہیں ہارتا کہ اگر پوری کشتی گرداب سے نہیں نکل سکی تو اس کے چند تختے بھی مل سکیں اور ڈوبنے والوں کے لیے سہارا بن سکیں ان کو کسی طرح بچا لے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ شیخ عبدالقادر عودہؒ کی طرح ایمانی جرأت کا مظاہرہ نہ کرسکے اور سولی پر نہیں لٹکے اور نہ ہی سید رمضان کی طرح جلاوطنی کی زندگی اختیار کی کہ یہ سب عزیمت کی باتیں تھیں اور نہ انھوں نے ناصرازم کی مخالفت میں جنرل نجیب کی طرح قید و بند اور نظر بندی کی زندگی ہی اختیار کی۔ مگر کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے یہی اعمال مقبول ٹھہرائے جائیں اور ان کے درجات کی بلندی کے باعث بن جائیں۔

وہ اپنی تحریر و تقریر میں اسلام کے مخلص معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے دین اسلام کے خلاف ہرگز کوئی سازش نہیں کی تھی اور نہ ان کا السید الرئیس سے کوئی ایسا سازباز ہی معلوم ہوتا جس سے دین کی بنیادیں کھوکھلی ہو رہی ہوں بلکہ اس کے برعکس انھوں نے اپنے نظریات کا برملا اظہار اپنی ان تین ضخیم کتابوں میں کردیا ہے جو آج سے ٹھیک چار سال پہلے دسمبر ۶۰ء میں ازہر کے ادارہ "ثقافۃ اسلامیۃ" کی طرف سے شائع ہوئی ہیں۔

ان کی پہلی کتاب "الاسلام عقیدۃ و شریعۃ" ۴۷۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری "الفتاوی" ۴۱۵ صفحات پر اور تیسری "من توجیہات الاسلام" ۵۳۰ صفحات پر۔ ان کتابوں میں انھوں نے چھوٹے بڑے تمام اسلامی موضوعات پر گفتگو کی ہے اور اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے انھیں کو اختیار کرنے کی دعوت بھی دی ہے۔ ان کے بعض افکار و نظریات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اسی طرح ان کے بعض اجتہادات اور فتاوے بھی ناقابل قبول ٹھہرائے جاسکتے ہیں فتاوے میں اگر کوئی ایسی بات ہے تو وہ ناصرازم کے اثرات کے تحت نہیں بلکہ مصر کے سابق تجدد پسندیوں اور تحرر کی بنا پر ہے جس کے مرتکب یا قائل قریب قریب وہاں کے سبھی علماء ہیں اور رہے ہیں۔

ویسے ان کی تینوں کتابیں مجموعی حیثیت سے دین اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں اور اسی کو اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ انھیں اپنی ان کتابوں کے شائع کرانے کی بڑی عجلت تھی گویا وہ چاہتے تھے کہ بدلے ہوئے حالات میں "اسلام کیا ہے" اور "مسلمان کیا کریں؟" کے جواب ازہر کی طرف سے جلد از جلد مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیئے جائیں ـــ ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ عالم اسلام کی تمام زبانوں میں ان کے ترجمے کرا کے پھیلائی جائیں کیونکہ ہر جگہ مسلمانوں کے سامنے اسی قسم کے مسائل درپیش ہیں، معلوم نہیں ان کی یہ آرزو پوری ہوسکی یا نہیں۔ ادارہ ثقافۃ اسلامیہ کے جنرل سکریٹری شیخ دکتور محمد بہی جن کی کوششوں سے یہ سب کچھ ہوا تھا خود بھی دین کے لیے ایک تڑپ رکھتے ہیں اور اسلام کو غالب دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ اب وہ وزارت اوقاف میں لے لیے گئے ہیں۔

شیخ محمود شلتوت نے اپنی ان کتابوں کو جن حالات میں شائع کرائی ہیں اور ان میں جو کچھ لکھا ہے ان کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے سچے شیدائی اور دین کے ایک درد مند داعی تھے۔ وہ مسلمانوں میں رسمی دینداری کے بجائے حقیقی دین داری دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ رسوم و بدعات کے سخت مخالف تھے وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی دینی اصلاح کے لیے دور اول کے مسلمانوں کو سامنے رکھیں اور اپنے اندر وہی روح وہی جذبہ اور وہی اخلاص پیدا کریں جو اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا، ان کا کہنا یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنے تمام مسائل کا حل کتاب و سنت ہی کے اندر تلاش کرنا چاہیئے۔ اخلاق و معاشرت اور عائلی نظام سے لیکر تمدن و معیشت اور سیاست و حکومت سب کے لیے رہنما اصول کتاب و سنت میں موجود ہیں اس لیے سارے نقشے اسی کے مطابق بننے چاہئیں۔ مغرب کے مادی افکار و نظریات، اسلامی افکار و نظریات کے نہ بدل بن سکتے ہیں اور نہ ان سے میل ہی



کھا سکتے ہیں۔ وہ ناصر کے سوشلزم اور ان کی نام نہاد جمہوریت کے بجائے اسلام کے اقتصادی نظام اور اسلامی شورائیت کے قائل تھے۔ یہی نہیں بلکہ السید الرئیس کے عرب نیشنلزم کے بھی کچھ زیادہ قائل نہیں تھے بلکہ اس کے برعکس وہ "الاخوۃ الاسلامیۃ" (اسلامی عالمگیر برادری) پر ایمان رکھتے تھے اور پھر بھی شیخ الازہر تھے۔

ممکن ہے قارئین کرام ان سطور کو پڑھ کر حیرت و استعجاب میں پڑجائیں مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ "وحدۃ عربیہ" اب جمہوریہ عربیہ متحدہ کا وہ کلمۂ شہادت بن گیا ہے جس کو زبان سے دہرائے بغیر وہاں کے کسی شہری کا "ایمان" سیر نہیں ہوسکتا۔ چاہے وہ شیخ الازہر ہی کیوں نہ ہوں پھر یہ بھی ضرور ہے کہ کبھی کبھی السید الرئیس کی تمجید کا کلمہ بھی پڑھ لیا جائے اگرچہ اس کلمے کیلئے متعین الفاظ کی قید نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ الازہر نہایت خوبصورتی کے ساتھ دونوں کلمے ادا کرتے ہوئے نرمی کے ساتھ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تک پہونچ جاتے تھے اور آخر میں اپنی بات کہہ ڈالتے تھے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ شیخ الازہر کے لیے اتنا کنسیشن ہو اور ان سے اتنے ہی پر اکتفا کرلیا جاتا ہو کہ سیاست میں ایسا ہوا کرتا ہے مگر عام لوگ جو اس کنسیشن سے محروم ہیں اور ان کا اپنا کوئی خاص موقف بھی نہیں اور نہ وہ کسی خاص سیرت و کردار ہی کے مالک ہیں اکثر اس میں ٹھوکریں کھا جاتے ہیں اور زندگی بھر کی اپنی دینی کمائی کو غرق مئے ناب یا غرق مارینل کردیتے ہیں۔ ایسے ہی کچھ واقعی مصر کے اس مشہور اور قدیم صحافی احمد حسن زیات کا بھی ہے جو زندگی بھر نبوت محمدیہ کی عظمت کے گیت گاتا رہا اور جو اپنے پورے صحافتی دور میں عقیدت و محبت کے بہتر سے بہتر گلدستے تیار کرکے بارگاہ نبوت میں پیش کرتا رہا جو آخر آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں رسول التوحید والوحدۃ، نبی الحریۃ والدیمقراطیۃ، داعیۃ السلام والوئام والمحبۃ، جیسے کلمات لکھ لکھ کر لوگوں کو اخوت و محبت کا درس دیتا اور انھیں حقیقی جمہوریت اور آزادی رائے کا مفہوم بتاتا رہا جو یورپ کے باطل دعاوی کی تردید میں آپ کو توحید اور وحدت آدم کا رسول، آزادی اور جمہوریت کا پیغمبر، امن و سلامتی کا داعی، اخوت و محبت کا پیامی اور عالمگیر انسانی برادری کا سب سے بڑا علمبردار ثابت کرتا اور اپنے لیے ذخیرۂ آخرت فراہم کرتا رہا۔ آج نہ جانے کن حالات نے اسے اقتدار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی اس متاع عزیز کو پیش کرنے پر مجبور کردیا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ احمد حسن زیات کوئی ایسا صاحب ضمیر اور اعلیٰ کردار کا حامل رہا ہے کہ اس سے پہلے اس نے سابق حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے اپنا ضمیر نہ بیچا ہوگا ایک احمد حسن زیات ہی کیا معلوم نہیں کتنے ایسے احمد حسن زیات یہاں وہاں ہر جگہ موجود ہوں گے اور ہوسکتے ہیں زیات کی اس بیہودہ حرکت اور نرالی قسم کی اس ضمیر فروشی پر رونے اور رلانے کی بجائے اصل اس کے مضمرات پر غور کرنے اور یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کہنے والا کیا کہہ رہا ہے اور کیوں کہہ رہا ہے، اس کے حقیقی اسباب و علل کیا ہیں جمہوریہ عربیہ متحدہ میں خاص کر اس وقت کون سا فکر فروغ پا رہا ہے اور ہوا کا رخ کیا ہے۔

ان بے چاروں کی حیثیت ایک مرغ بادنما سے زیادہ کچھ نہیں ہے ان مجانین و مفتونین کی ہرزہ سرائیوں پر کیوں آنسوؤں کے دریا بہایئے، رونا ہو اور جگر میں خون ہو تو اس پر رویئے اور دل کھول کر رویئے کہ اب حالات کیا رخ اختیار کررہے ہیں اور اہل حق کے لیے ابتلاء کی کیسی گھڑی آن پہونچی ہے۔

میرے ناقص خیال میں زیات کی اس ہرزہ سرائی میں اہانت رسول سے بڑھ کر کہیں زیادہ انکار رسالت اور انکار دین کا پہلو نمایاں ہے۔ غور تو فرمایئے اس کی اس بیہودہ منطق طرازی پر کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور ثابت کرنا کیا چاہتا ہے یہی نا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات کا زمانہ لد گیا۔ نعوذ باللہ، اب اس کے مقابلے میں جمال عبدالناصر کی "جدید سامریت" ہی برحق ہے اور یہی اس قابل ہے کہ رہتی دنیا تک اس کو دوام حاصل ہو، کیونکہ اس کی بنیاد رائے کی آزادی، جمہوری طرز حکومت اور معاشی مسئلہ میں سوشلزم پر ہے اور یہ مقومات ثلاثہ دائمی ضمانت کے لیے کافی ہیں۔

ناصر صاحب اگر اپنے نظریات کے لیے ایسی نکتہ سنجیوں سے تائید حاصل کرنا چاہتے ہوں تو ان کو اختیار ہے ایسے بھانڈ ان کو اور بہت مل جائیں گے مگر کیا عرب اتحاد کا جو خواب وہ دیکھ رہے ہیں انھیں تائیدوں سے حاصل ہوگا زیات نے تو اپنی عاقبت خراب کی ہی مگر خود ناصر کے ذہن و مزاج کو سمجھنے میں لوگوں کو اس سے مدد ملنی چاہیئے معلوم نہیں کس کارنامہ کی بنا پر لوگ ان کے "دینی مزاج" اور "اسلام پسندی" کے قائل ہیں۔ اس زاویہ سے بھی غور کرنے کا مقام ہے کہ مصر میں شہنشاہیت کے اس ملعون دور میں بھی جسے صد خرابیوں کا باعث سمجھا جاتا ہے کیا کوئی بے ضمیر حکمران ایسا بھی گزرا ہے جو لوگوں سے اور خاص کر کمزور لوگوں سے ایسا سودا کرنے پر راضی ہوا ہو۔ بازار مصر میں اب ثمن بخس کے بجائے نرخ کی اتنی بلندی تو وہاں کی موجودہ حکومت "الحکومۃ الدیمقراطیۃ الاشتراکیۃ التعاونیۃ" کی بدولت اور اسی کی برکت سے ہے۔ یا پھر اس شاہی حکومت کے سربراہ کار السید الرئیس ہی ہوسکتا ہے جس کا ضمیر اس قسم کے زرخالص پیش کردینے پر بھی بیدار نہ ہو بلکہ اس کے برعکس وہ مطمئن رہے کہ ہمارے اعلیٰ نظریات کی تائید ہورہی ہے۔

ہم یہ واقعہ معلوم کرنے کے خواہش مند تھے کہ "انا لنتعزز انا لنتمسک بالدین" کے نعرہ بلند کرنے والے اور موضوع پر لمبی چوڑی تقریر کرنے والے السید الرئیس کا کیا ردعمل ظاہر ہوتا ہے، اندر باہر کے احتجاجات پر بھی اگر انھوں نے احمد حسن زیات کو سرزنش اور تعزیر کے قابل نہیں سمجھا تو کم از کم ایک بیان تو وہ دے سکتے تھے جس سے ان کے اس دینی موقف کی وضاحت ہوجاتی جسے خواہ مخواہ بعض لوگ سراہتے رہتے ہیں اور قصور وار صرف وہاں کے مجبور علماء ہی کو گردانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رمضان المبارک میں مصری قراء کے وفود کو دیکھ کر اور قرآن مجید کے ریکارڈوں کی تقسیم کی خبریں سنکر اکثر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جمال عبدالناصر کا مزاج دینی ہے، اور یہ کہ وہ دینی قیادت و صدارت کے لیے دین ہی کو میزان عمل قرار دیتے ہیں" عام طور پر لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ الاخوان المسلمون کی تحریک کو کچل دینے اور اس کے سربراہ کاروں کو سولی پر لٹکا دینے کے بعد اس نئی آمریت اور موجودہ ڈکٹیٹر شپ میں دینی حلقوں کے لیے عرصۂ حیات کتنا تنگ ہوکر رہ گیا ہے اور ہوتا چلا جارہا ہے۔

شیخ الازہر شیخ محمود شلتوت بھی کچھ انھیں حالات سے دوچار تھے اسلامی تعلیمات کے برعکس سوشلزم پر مبنی حکومت میں جہاں ہر چیز یکے بعد دیگرے قومیائی جارہی ہو حتیٰ کہ صحافت تک قومیائی جاچکی اور اس طرح صحافتی آزادی کا گلا گھونٹ دیا گیا وہاں جامع الازہر جیسے بڑے ادارہ کو بالکلیہ آزاد اور خود مختار رکھنا کیسے گوارہ کیا جاسکے گا، چنانچہ آئے دن اس پر عمل جراحی کی خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں۔ شیخ الازہر شیخ محمود شلتوت کا یہی کارنامہ کچھ کم نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی ضعیفی کے اس دور میں جس حد تک اس کی حفاظت کرسکے وہ کی اور اسکے منبر سے ایک بار آخری بار اسلامی تعلیمات، نظریات کو پھر سے نشر کردیا۔ ہمارے نزدیک شیخ محمود شلتوت کا یہی عمل بہت بڑا ہے موجودہ احوال و ظروف میں وہ اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ اللہ ان کے اسی عمل کو قبول فرمائے۔

اللھم ارحمہ رحمۃ واسعۃ واغفرلہ وادخلہ فی جنات النعیم

۱؎ خط کشیدہ عربی عبارت مِن وعَن اسی مجلۃ الازہر بابۃ ستمبر ۵۹ء کے اداریہ سے ماخوذ ہے اور جسے خود احمد زیات ہی نے سپرد قلم کیا ہے۔

# دار العلوم ندوۃ العلماء کی تعمیری ترقیاں

محمد عبد السمیع ندوی

## شعبہ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء

### رواق سلیمانی

شروع ۱۹۷۰ء میں اللہ تعالیٰ کے چند مخلص بندوں کے ہاتھوں چھوٹے طلبہ کی اقامت گاہ "رواق سلیمانی" کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا، جو اپنی مختلف تعمیری منزلیں طے کرتے ہوئے مئی ۱۹۷۳ء میں دو بڑے ہالوں اور بیس کمروں پر مشتمل تیار ہو گئی ہے۔ چھوٹے طلباء جو اس سے قبل دار العلوم ہی کی عمارت کے ایک حصہ میں رہتے تھے اس نئی عمارت میں منتقل ہو گئے ہیں۔

نا سپاسی ہوگی اگر یوپی، گجرات، بمبئی، لندن، کویت، وغیرہ کے ان مخلص، ہمدرد مسلمانوں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے جنھوں نے اس "دار الاقامہ" کی تعمیر کے سلسلہ میں چند کمروں کی لاگت کی مجموعی رقم دار العلوم کو عنایت فرما کر کارکنان کی ہمت افزائی اور اس اہم کام میں تعاون فرمایا۔ جو صدقہ جاریہ ایسے حضرات کے نام کے کتبے بھی مختلف کمروں کی پیشانیوں پر لگا دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان محسنین کے کاروبار میں برکت اور دینی خدمات کی توفیق مزید مرحمت فرمائے۔ آمین۔

### ہال رواق رحمانی

آخر ۱۹۷۵ء میں طلباء کی کثرت کی وجہ سے کارکنان دار العلوم نے اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر رواق عمر (ابی دشبلی ہوسٹل) کی بالائی منزل ۱۶ کمروں پر مشتمل رواق رحمانی (مولانا محمد علی مونگیری ہوسٹل) کی تعمیر کا آغاز کیا تھا جس کا وسطی ہال بعض دوسری ضرورتوں کی وجہ سے نامکمل رہ گیا تھا۔ بحمد اللہ کچھ مہینے سے اس کی تکمیل کا کام شروع کر دیا گیا ہے اور توقع ہے کہ جلد ہی اس کی تکمیل کی اطلاع احباب کو مل جائے گی۔

### مطبخ جدید و دار الطعام

دار العلوم کی ایک تربیتی خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ امیر و غریب، مستطیع و غیر مستطیع کے فرق و امتیاز کو طلباء کے ذہن سے محو کرنے کے لیے ایک جگہ بٹھا کر سب کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ۱۹۶۰ء کی جنگ میں کنٹرول کی چیرہ دستیوں سے عاجز ہو کر طلباء کی اقامت گاہوں پر کھانا پہنچایا جانے لگا تھا، اس قدیم روایت کو تازہ کرنے کے لیے عرصہ سے دار الطعام (ڈائننگ ہال) کی تعمیر کی تجویز کارکنان دار العلوم کے ذہن میں تھی ابھی اس پر عمل نہ ہو سکا تھا کہ ۱۹۷۰ء کے عظیم سیلاب نے مطبخ کی سفالہ پوش قدیم عمارت کو بھی منہدم کر دیا، تو کلاً علی اللہ طے کیا گیا کہ جلد سے جلد ایک نئے مطبخ اور دار الطعام (ڈائننگ ہال) کی عمارتیں تعمیر کر لی جائیں، الحمد للہ کہ مطبخ کی عمارت مکمل ہو گئی ہے اور آخر ماہ اکتوبر سے مطبخ اپنی قدیم عمارت سے منتقل ہو کر اس نئی عمارت میں آ گیا ہے۔

دار الطعام (ڈائننگ ہال) کی عمارت کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے، یہ عمارت جدید مطبخ سے متصل ایک بڑے وسیع ہال پر مشتمل ہوگا، اس عمارت میں تقریباً ۸۰۰ طلباء کو بیک وقت کھانا کھلایا جا سکے گا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل فرمائے۔

### رہائشی مکانات

اساتذہ کرام اور بعض ذمہ داران دار العلوم کے لیے رہائشی مکانوں کی تجویز طلباء کی ضرورتوں اور ان کی تعلیمی و تربیتی سہولتوں کے پیش نظر سے چل رہی تھی، چنانچہ جولائی ۱۹۷۲ء میں دو مکانوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا، بعض الجھنوں کی وجہ سے تعویق ہو گئی تھی۔ حال ہی میں پھر ان مکانوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا ہے، اور توقع ہے کہ جلد ہی ان شاء اللہ یہ مکانات تیار ہو جائیں گے۔ مزید مکانوں کو "تعمیر" دو دستے از غیب برون آید و کارے بکند" کی منتظر رہے گی۔

### توسیع مسجد

دار العلوم کی خوبصورت حسین مسجد نمازیوں کی کثرت کی بنا پر عرصہ سے تنگیٔ گنجائش کا شکوہ کر رہی ہے، مسلسل تجربات نے کارکنان دار العلوم کے سامنے مسجد کی توسیع کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے۔ ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ نے مسجد کی توسیع کی تجویز اصولی طور پر منظور کر لی ہے، لیکن اب تک اس مد میں رقم نہ ہونے کی وجہ سے کام کا آغاز نہیں ہو سکا ہے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

### وضو خانہ مسجد

مسجد کے وضو خانے عرصہ سے ناکافی ہو چکے تھے چنانچہ الحاج حافظ خیرات علی صاحب کے گرانقدر تعاون سے ایک ٹنکی پانچ ہزار گیلن پانی سے بھری جانے والی بنوائی گئی، مسجد کے کنوئیں پر آب رسانی کے لیے دو عدد الیکٹرک انجن نصب کرا دیئے گئے اور اسی سے متصل ایک وسیع وضو خانہ کی مع اپنے متعلقات کے تعمیر شروع ہو گئی ہے جس کا کچھ حصہ قابل استعمال ہو چکا ہے امید ہے کہ ان شاء اللہ بقیہ حصے کی تکمیل کی اللہ تعالیٰ کوئی سبیل پیدا فرمائے گا۔

آج کل تعمیرات پر روز افزوں گرانی کے باعث جو مصارف آتے ہیں ان کا صحیح اندازہ انھیں حضرات کو ہو سکتا ہے جن کو تعمیرات کا کچھ تجربہ ہے۔

ادھر عرصہ سے دار العلوم کی ان تعمیری ضرورتوں کے سلسلہ میں ملک سے کوئی مخصوص مالی ہمت افزائی نہیں ہوئی، توقع ہے کہ مندرجہ بالا روداد ہمارے مخلصین کو ادھر بھی متوجہ کرے گی۔

### دورۂ آسام و شمالی بہار

شعبہ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء کی جانب سے دو سفراء مولانا محمد ہاشم صاحب مظاہری صوبہ آسام اور مولوی عبد الرشید صاحب سیوان و چھپرہ وغیرہ کے دورہ پر نکلے ہیں، مقامی حضرات سے استدعا ہے کہ وہ ان سفراء کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون فرما کر کارکنان ادارہ کو ممنون فرمائیں۔

---

### بقیہ صدیق حسن نمبر

ایک صحیفۂ عبرت و عزیمت ہے، لیکن صدیق حسن نمبر سے جو معاصر "ندائے ملت" لکھنؤ نے شائع کیا ہے ان کی زندگی کے بہت سے پہلو سامنے آئے جو عام مسلمانوں اور دین کے علمبرداروں کے لیے قابل تقلید اور قابل رشک ہیں ان کے عقیدہ کی پختگی، ایمان کی مضبوطی، الحاد سے شیفتگی اور سب سے بڑھ کر وہ سنت یوسفی جو اپنی نوجوانی کے زمانہ میں انھوں نے لندن جیسی جگہ میں ادا کی ان کی زندگی کے وہ روشن پہلو ہیں جن کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ان ہی لندن جانے والوں کے متعلق اکبر نے کہا تھا

کیا تعجب ہے کہ لوگوں نے بھلایا گھر کو، جب کہ یورپ میں گئے یاد دین خدا بھول گئے

لیکن اس نوجوان نے اس روش پر کمال احتیاط و استقامت کے ساتھ اس طرح عمل کر دکھایا کہ زندگی کے آخری ایام تک اس میں فرق نہ آیا۔ وما بدلوا تبدیلا

دو منزلہ رواق سلیمانی۔ چھوٹے بچوں کی اقامت گاہ جو بیس کمرے اور دو ہالوں پر مشتمل ہے

رواق سلیمانی کی پشت کا حصہ جس میں ابھی کام لگا ہوا ہے۔